



انکشاف

سلطان الحق شہیدؒ



خراب و خستہ و دلگیر ہوں میں
بس اتنا جانئے کشمیر ہوں میں

کوئی پہچان پائے گا تو کیوں کر؟
پھٹی بکھری ہوئی تصویر ہوں میں

ہوس رہ رہ کے مجھ کو نوچتی ہے
بڑی زرخیز اک جاگیر ہوں میں

بگاڑے ہے جسے بن بن کے معمار
وہ زیر تجربہ تعمیر ہوں میں

لگتا ہوں صلیب زندگی پر
مری تقصیر؟ بے تقصیر ہوں میں

الٹ دے گی بساط شب سحر دم
کہ خود لا تقنطوا تنویر ہوں میں

جو چاہو آزما کر تم بھی دیکھو
خلوص و درد کی اکسیر ہوں میں

انکشاف



شعری مجموعہ



سلطان الحق شہیدی کاشمیری

نام کتاب	:	انکشاف (شعری مجموعہ)
نام مصنف	:	محمد سلطان الحق
تخلص	:	شہیدی
کمپوزنگ	:	وسیم احمد
اشاعت	:	۲۰۰۸ء
سرورق	:	مدر علی
قیمت	:	۲۵۰ روپے
مطبع	:	شالیمار آرٹ پریس، سرینگر
تعداد	:	
ملنے کا پتہ	:	کتاب گھر مولانا آزاد روڈ سرینگر

ناشر:
ولایت علی شہیدی

ستہ بونی لال بازار سرینگر 190011، موبائل: 9469077949

اس کتاب کی طباعت کیلئے جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لنگویجز سے جزوی مالی امداد حاصل کی گئی۔ اس کتاب میں ظاہر کی گئی آراء سے کلچرل اکیڈمی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں اور نہ اس ضمن میں جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی پر کوئی ذمہ داری عاید ہوگی۔

فہرست

صفحہ نمبر	فہرس
8	انتساب
9	تعارف
12	پیش لفظ
20	اپنی بات
23	حمد..... خدائے لم یزل تو مہرباں ہے
25	نعت..... وہ جان کائنات ہے وہ بے مثال ہے
27	سرتا قدم غبار سفر سے اٹا ہوا
29	یہ گو نجیں الامان والخذری
31	فخر کرے تھا عرش بھی جس پر ہے تحریر فسانوں میں
32	شاید شہر تمنا میں یہ دل کا بالک کھویا ہے
33	اب جو باغ میں چھپ کر دیکھا
34	کوئی دریا کوئی سراپ نہیں
35	آپ سے آپ ہو گیا کیا کچھ
36	مسجدوں کا بھرا ہے جن میں تیل
37	عجیب بات ہے منزل نہ کوئی جاہ ہے
39	کتنے بڑ شاہ لڑکھڑائے ہیں

42	مقامِ مسلم مگر میں تنہا ہوں
43	ہر گام اپنا عکس زمانے پہ ڈال دے
45	زخم ملتے ہیں بے شمار نہ پوچھ
47	جب تجھ سے کچھ نہ ہو سکے تو توڑ پھوڑ کر
49	جسمِ صحرا میں گم گشتگی کی طرح
50	غم تھا دایان کی آرمی کی طرح
51	دل کے بیماروں کی سنتے ہیں جراحت ہوگی
53	وہی ہے آتشِ نمرود و شیوہ شداد
55	تمام سروصنوبر ہوئے تھے جس سے شاد
57	چھوٹ جاتا ہے جب کوئی دمساز
58	جبر کے ہیں نئے نئے انداز
59	حسن کے التفات میں عشق کی واردات میں
61	تڑپ جس میں نہ تھی منزل کی بے نیل مرام آیا
63	خردِ بیچارگی میں رہ گئی دل کا مقام آیا
65	ہر گام ہر اک چوک یہ کیسی ادا لگے
66	آشفۃ حال غمزہ شوریدہ سر ملے
67	ملتا ہے دل سے دل جو نظر سے نظر ملے
68	باہر حصارِ زیست سے آنا سوال ہے
69	کون مجھ سادِ جلا ہے شہر میں
72	ہم سے وعدے ہوئے نبھانے کے
73	آپ کی بے رخی کو دیکھ لیا

74	Digitized By eGangotri
76	مچھلیوں کی کہاں ہے کھال نہ پوچھ
77	آئے کب موسم وصال نہ پوچھ
79	آشوب روزگار کے چکر نئے نئے
81	پکے گی یہ سب گھاس کیسر کے مول
83	بام پر ہے وبال کا موسم
85	زمین دوز ہے توراۃ ہوا میں ہے انجیل
86	جانے کیا کیا کچھ تھا میں سمجھا ہوا
88	وہ جان بہاراں جو کشمیر نظر آئی
90	اشعار
91	نظم
92	نظم
93	یادوں کا لس
95	فریب کھاتا نہیں دوبارا
96	نظم
97	یادگار
98	نذرانہ
99	ایک نظم
101	طرز تحریر سے سمجھ لینا
104	خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے
105	جو نہ کرنا تھا کر گئے ہم لوگ
	اپنے پاؤں تلے زمیں ہی نہیں

106	سیر جی بھر کے کر گیا ہوں میں
107	ٹوٹے پیڑ اور بکھرے پھل
108	جوگی جھولی باندھ کے چل
109	بات خرید و کوڑی مول
110	مرا محسن ہے میرا مہر باں ہے
112	مرا کشمیر کیا جنت نشاں ہے
113	دوستو!
116	حاجنی صاحب
117	درد اک میٹھا جگادے کوئی ہے؟
118	دن اندھیروں میں کھو گئیں آنکھیں
120	ساتھ ہر اک موڑ پر تونے دیا
123	خشک پتوں کا وار کیا کہنا
124	جن کو دیا تھا ہم نے کلیجہ نکال کے
126	نئی روشنی
128	بنی جان و دل کی سواری ہوا
130	نظم
131	میں جسے لٹھی سمجھتا تھا وہ اجگر نکلا
133	میں خزاں کو بہار کرتا ہوں
136	دامی تابندگی
138	ہوا کا غد مری آواز تحریر
140	راج محل میں رہتے ہیں بس اندھے گونگے بہرے لوگ

141	Digitized By eGangotri	بیاد حسین
142		قاشیں
143		کوئی دریا
144		قطعات
152		آدمی وہ نہیں قرینے کا
154		دفن صحرائیں روڈ کوثر ہے
156		تعارف
159		مدینے میں
161		السلام
165		نظم
167		نعت
170		بہ یاد حسین
171		حسین
172		نظم
174		قریہ قریہ ہے مضمون
175		شام سویرا ہوتا ہے
176		پیار کہانی ہوتی ہے
177		اپنی سیاست خوب چلاؤ
178		موج خوں کب تلک اچھالوں میں
179		کتنے دلدار درد والے ہیں

1	1	1
2	2	2
3	3	3
4	4	4
5	5	5
6	6	6
7	7	7
8	8	8
9	9	9
10	10	10
11	11	11
12	12	12
13	13	13
14	14	14
15	15	15
16	16	16
17	17	17
18	18	18
19	19	19
20	20	20
21	21	21
22	22	22
23	23	23
24	24	24
25	25	25
26	26	26
27	27	27
28	28	28
29	29	29
30	30	30
31	31	31
32	32	32
33	33	33
34	34	34
35	35	35
36	36	36
37	37	37
38	38	38
39	39	39
40	40	40
41	41	41
42	42	42
43	43	43
44	44	44
45	45	45
46	46	46
47	47	47
48	48	48
49	49	49
50	50	50
51	51	51
52	52	52
53	53	53
54	54	54
55	55	55
56	56	56
57	57	57
58	58	58
59	59	59
60	60	60
61	61	61
62	62	62
63	63	63
64	64	64
65	65	65
66	66	66
67	67	67
68	68	68
69	69	69
70	70	70
71	71	71
72	72	72
73	73	73
74	74	74
75	75	75
76	76	76
77	77	77
78	78	78
79	79	79
80	80	80
81	81	81
82	82	82
83	83	83
84	84	84
85	85	85
86	86	86
87	87	87
88	88	88
89	89	89
90	90	90
91	91	91
92	92	92
93	93	93
94	94	94
95	95	95
96	96	96
97	97	97
98	98	98
99	99	99
100	100	100

انتساب

پیر و مرشد۔

سید علی

اور

اپنے فرزند

ولایت علی

کے نام

پیشانی

۵۶۵

کتاب

۱۱

مکتبہ

راشدیہ

۳۷۶

تعارف

سلطان الحق شہیدی وادی کشمیر کے کہنہ مشق شاعر ہیں، ان کا شعری سفر تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ اُردو کے علاوہ وہ کشمیری زبان میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔ انہوں نے اقبال کے پیام مشرق حالی کے مسدس، مدو جزر اسلام اور خیام کی رباعیات کا برسوں پہلے منظوم کشمیری اور شیخ العالم اور مہجور کے کلام کا اردو نظم میں خوبصورت ترجمہ کیا۔ ان کی طبیعت میں ایک طرح کی بے نیازی پائی جاتی ہے، شاید اسی وجہ سے وہ اپنی نگارشات کو آج تک نمایاں طور پر منظر عام پر نہ لاسکے۔ یا پھر جیسا کہ انہوں نے کہا ہے۔

ملا نہ آج تک اس کو کوئی جمیل رقم

کتاب زیست ابھی تک ہماری سادہ ہے

شہیدی یوں تو نظمیں، غزلیں اور قطعات کثرت سے لکھتے ہیں لیکن ان کی طبیعت کا میلان زیادہ تر غزل کی طرف ہے۔ جس زمانے میں انہوں نے شاعری کا آغاز کیا، ترقی پسندی کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ اس تحریک کی رو میں چھوٹے بڑے سب قلم کار بہہ گئے لیکن شہیدی چونکہ اُردو شاعری کی روایت اور کلاسیک کے اتنے دلدادہ تھے کہ وہ ترقی پسند تحریک کے شور و غل میں بھی اپنی روایت پسندی پر ڈٹے رہے اور خوب سے خوب تر کی طرف گامزن رہے۔

زیر نظر مجموعہ میں یوں تو غزلیں اور نظمیں دونوں پائی جاتی ہیں لیکن ان کی

یہ تمنا ہے میری - ہمیشہ رہے
آدبی آدمی۔ آدمی کی طرح
لذت سمیٹتا ہوں میں چُھنے سے بار بار
اے چارہ گر بدن سے نہ کانٹے نکال دے



مرا محسن ہے میرا مہرباں ہے
مرا غم ہی مرا راحت رساں ہے



قول و قرار - دین و دل - پاس وفا و ننگ و نام
کتنے جزیرے بہہ گئے سیل تغیرات میں



اسی سے رونق گلشن ہے استوار اپنی
اگرچہ سلسلہ رنگ و بو ہے بے بنیاد



آگ سے پھوٹی ہوئی کونیل
خواب تھا یا خیال کا موسم



رہا جب نہ آپس میں کوئی ملاپ
تو اکھڑی ہماری تمہاری ہوا



بدگمانی کی ہوا تھی زہرناک

وا دریاچہ وانہ پھر ہرگز ہوا

دل سیہ سردی نے پتھر کر دیا

دھوپ اپنی جو پلا دے۔ کوئی ہے؟

وہ ترقی پسندی کے دور عروج میں اس کے اثر سے خود کو بڑی حد تک محفوظ

تو رکھ سکے لیکن جب ترقی پسند تحریک نے دم توڑ دیا اور جدیدیت کے رجحان نے

ایک بھر پور تحریک کی شکل اختیار کی تو شہیدی بھی اس سے کسی حد تک متاثر ہوئے

اور یہ اثر ان کے بعض اشعار میں جھلکتا ہے۔

برقاب ہو کے گر پڑا دریا و دشت پر

بادل بھی تھا عقاب مگر پر کٹا ہوا



ایک صحرا تھا زندگی کیا تھی

آدمی پھر بھی بو گیا کیا کچھ



بلند تر ہے ستاروں سے بارگہ تیری

خلا نور دمرے دوست! کیا ارادہ ہے؟

امید ہے کہ ادبی حلقوں میں ان کا یہ شعری مجموعہ خاطر خواہ پذیرائی حاصل

کرے گا اور ان کی پہچان اور شناخت قائم کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

ہمد کا شمیری

سرینگر

پیش لفظ

”انکشاف“ وادی کشمیر کے معروف شاعر جناب سلطان الحق شہیدی کی اردو شاعری کا تیسرا مجموعہ ہے۔ دو اور مجموعے ”برگ برگ“ اور ”تیشہ گل“ ہیں۔ شاعری کے کاروبار شوق کے ساتھ وہ سن شعور سے لیکر برابر آج تک منسلک چلے آ رہے ہیں۔ وہ کشمیری اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں اور شاعری کی ترجمہ کاری میں بھی اپنے جوہر دکھا چکے ہیں۔ انہوں نے اقبال علیہ رحمہ کے پیام مشرق اور ارمغان ججاز۔ عمر خیام کی رباعیات اور مثنوی مولانا رومی سے منتخبات کا فارسی سے کشمیری میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مولانا حالی مرحوم کے مسدس کا بھی کشمیری میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ ان کے تراجم میں شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب کلام اور کلام مجبور کا کشمیری سے اردو میں منظوم ترجمہ بھی شامل ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ شعر کا ترجمہ اگرچہ بالکل ناممکن نہیں لیکن ناممکن حد تک مشکل ضرور ہے۔ شہیدی صاحب کے تراجم پر اکثر اصل کا گماں ہوتا ہے اور اس قسم کا ترجمہ وہی شخص کر سکتا ہے جو صلاحیت تخلیق سے بہرور ہو۔

شہیدی صاحب ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے انسان بھی ہیں اور یہ ایک غیر معمولی بات ہے بالخصوص اس دور میں جو قدروں کی شکست و ریخت کا ایک ایسا بھیا تک منظر پیش کرتا ہے جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتی۔ قدروں کی پامالی پہلے بھی ہوتی رہی ہے مگر نشاۃ ثانیہ کے بعد کی دنیا میں

جس طرح مادیت ایک مذہب کی جثیت سے مکر رہی ہے اس نے اقدار سے متعلق ہمارے ذہنی رویوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے اور خوب ناخوب بن گیا ہے اور ناخوب، خوب

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اب یہ دنیا ایک ایسا بازار بن گئی ہے جہاں ہر چیز بکتی ہے حتیٰ کہ فنکار بھی۔
خود شہیدی کہتے ہیں۔

جلب زرہ میں جٹے ہوئے فنکار
ذہن و دل پر زوال کا موسم

ایک ایسی دنیا میں کہ جہاں فنکار بکتے ہوں، کبھی مہنگے داموں، کبھی سستے داموں۔ جہاں ارباب قوت و ثروت کی چوکھٹوں پر جبہ سائی اور سرکاری حلقوں میں مسلسل چلت پھرت اور ریشہ دوانیوں کے بغیر اپنا وجود منوانا بھی ممکن نہ ہو وہاں شہیدی کی طرح قدروں کو سینے سے لگائے رکھنا روحانی پاکیزگی اور فطری سعادت مندی کی علامت ہے، فطری سعادت مندی اس لئے کہ کم آمیزی اور بے نیازی کی دولت، توفیق ایزدی کے بغیر نصیب میں نہیں آس۔ آج سے سولہ سال پہلے کشمیر کے ایک بہت اچھے اردو شاعر اور درویش صفت انسان شوریدہ کشمیری کی وفات کے بعد اُن پر جو مجموعہ مضامین شائع ہوا تھا اس کے آغاز میں، میں نے لکھا تھا:

مرحوم شوریدہ کشمیری کی یاد میں مضامین کا یہ مجموعہ ایک کوشش

ہے وہ حق ادا کرنے کی جو اُن کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا ہے۔ اُن کی زندگی میں گونا گوں وجوہات کی بناء پر انہیں وہ قدر و منزلت نصیب نہ

ہو سکی جس کے وہ بجا طور پر متعلق تھے۔ ان میں سے چند وجوہ ایسی ہیں جو براہ راست ان کی ذات اور ان کے بے نیازانہ طرز زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جو ان حالات کا منطقی نتیجہ ہیں جو جان بوجھ کر ہم پر مسلط کئے گئے۔ ان حالات میں ذرائع ابلاغ، سرکاری سرپرستی اور دوسرے کھلے اور چھپے وسائل کے ذریعے معیاروں کی کایا پلٹ دی گئی۔ نا اہلوں کو اہل، جاہلوں کو ذہین و فطین، بے دانش کو دانشور اور غیر شاعروں اور متشاعروں کو وقت کا حافظ و خیام بنا دیا گیا۔ جو جتنی آسانی اور سرعت کے ساتھ اور جتنے کم داموں پر بننے کیلئے تیار ہو گیا اُس کا قد اتنا ہی اونچا کر دیا گیا۔ جمہوریت اور سیکولرازم کے بلند بانگ دعوؤں کے باوصف جس شخص کا نظریہ حیات سرکاری نظریہ سے مختلف نظر آیا اسے نفرت و حقارت کے ساتھ نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایسے متعفن ماحول میں شوریدہ جیسے پاکیزہ فطرت، قلندر طبع اور صاحب ضمیر آدمی کے لئے گمنام رہنا اُس نام و نمود کے مقابلے میں بدرجہا بہتر تھا جس کیلئے ایمان اور ضمیر کی صورت میں قیمت چکانا پڑتی ہے۔

آج اتنے سال گزرنے کے بعد شہیدی صاحب کی نگارشات پر خامہ فرسائی کرنے بیٹھا ہوں تو لگتا ہے کہ منظر اب بھی وہی ہے۔ کم آمیزی، بے نیازی اور قدروں کی پاسداری کا صلہ آج بھی اُسی سکتے میں ملتا ہے جس میں پہلے ملا کرتا تھا۔

اسپ تازی شدہ مجروح بہ زیرِ پالاں
طوق زریں ہمہ در گردنِ خرمی بینم

جس طرح مادیت ایک مذہب کی جتنیست ہے بھر رہی ہے اس نے اقدار سے متعلق ہمارے ذہنی رویوں کی کاپی پلٹ کر رکھ دی ہے اور خوب ناخوب بن گیا ہے اور ناخوب، خوب

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اب یہ دنیا ایک ایسا بازار بن گئی ہے جہاں ہر چیز بکتی ہے حتیٰ کہ فنکار بھی۔ خود شہیدی کہتے ہیں۔

جلب زر میں جٹے ہوئے فنکار

ذہن و دل پر زوال کا موسم

ایک ایسی دنیا میں کہ جہاں فنکار بکتے ہوں، کبھی مہنگے داموں، کبھی سستے داموں۔ جہاں ارباب قوت و ثروت کی چوکھٹوں پر جبہ سائی اور سرکاری حلقوں میں مسلسل چلت پھرت اور ریشہ دوانیوں کے بغیر اپنا وجود منوانا بھی ممکن نہ ہو وہاں شہیدی کی طرح قدروں کو سینے سے لگائے رکھنا روحانی پاکیزگی اور فطری سعادت مندی کی علامت ہے، فطری سعادت مندی اس لئے کہ کم آمیزی اور بے نیازی کی دولت، توفیق ایزدی کے بغیر نصیب میں نہیں آس۔ آج سے سولہ سال پہلے کشمیر کے ایک بہت اچھے اردو شاعر اور درویش صفت انسان شوریدہ کشمیری کی وفات کے بعد اُن پر جو مجموعہ مضامین شائع ہوا تھا اس کے آغاز میں، میں نے لکھا تھا:

مرحوم شوریدہ کشمیری کی یاد میں مضامین کا یہ مجموعہ ایک کوشش

ہے وہ حق ادا کرنے کی جو اُن کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا ہے۔ اُن کی

زندگی میں گونا گوں وجوہات کی بناء پر انہیں وہ قدر و منزلت نصیب نہ

ہو سکی جس کے وہ بجا طور پر متعجب تھے۔ ان میں سے چند وجوہ ایسی ہیں جو براہ راست ان کی ذات اور ان کے بے نیازانہ طرز زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جو ان حالات کا منطقی نتیجہ ہیں جو جان بوجھ کر ہم پر مسلط کئے گئے۔ ان حالات میں ذرائع ابلاغ، سرکاری سرپرستی اور دوسرے کھلے اور چھپے وسائل کے ذریعے معیاروں کی کایا پلٹ دی گئی۔ نااہلوں کو اہل، جاہلوں کو ذہین و فطین، بے دانش کو دانشور اور غیر شاعروں اور متشاعروں کو وقت کا حافظ و خیام بنا دیا گیا۔ جو جتنی آسانی اور سرعت کے ساتھ اور جتنے کم داموں پر بننے کیلئے تیار ہو گیا اُس کا قد اتنا ہی اونچا کر دیا گیا۔ جمہوریت اور سیکولرازم کے بلند بانگ دعوؤں کے باوصف جس شخص کا نظریہ حیات سرکاری نظریہ سے مختلف نظر آیا اسے نفرت و حقارت کے ساتھ نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایسے متعفن ماحول میں شوریدہ جیسے پاکیزہ فطرت، قلندر طبع اور صاحب ضمیر آدمی کے لئے گنہگار رہنا اُس نام و نمود کے مقابلے میں بدرجہا بہتر تھا جس کیلئے ایمان اور ضمیر کی صورت میں قیمت چکانا پڑتی ہے۔

آج اتنے سال گزرنے کے بعد شہیدی صاحب کی نگارشات پر خامہ فرسائی کرنے بیٹھا ہوں تو لگتا ہے کہ منظر اب بھی وہی ہے۔ کم آمیزی، بے نیازی اور قدروں کی پاسداری کا صلہ آج بھی اُسی سکہ میں ملتا ہے جس میں پہلے ملا کرتا تھا۔

اسپ تازی شدہ مجروح بہ زیرِ پالاں
طوق زریں ہمہ در گردنِ خرمی یتیم

شہیدی صاحب کو اب تک وہ پذیرائی نہیں ملی ہے جس کے وہ مستحق ہیں اور شاید اس لئے نہیں ملی ہے کہ وہ خوددار بھی ہیں اور اخلاقی قدروں کے پاسدار بھی شہیدی صاحب کی شاعری ان کے مخصوص مزاج کی بھی نمائندگی کرتی ہے اور اس آشوب کی بھی کہ جس کی گرفت میں آج پوری نوع انسانی کراہ رہی ہے اور نوع انسانی کے ساتھ ساتھ بدقسمت خطہ کشمیر بھی، جس کے دکھ اور آزار عام آشوب سے بھی سوا ہیں۔ ایک حسین دلہن کی طرح یہ خطہ ارض سنگروں کی دست برد کا شکار رہا ہے اور اس لئے شکار رہا ہے کہ یہ حسین ہے۔

کم نصیبی میری، میں زرخیز ہوں

چپے چپے پر مرے قبضہ ہوا

شہیدی صاحب کی شاعری کے متعلق اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ سب سے پہلے شاعری ہے، تگ بندی نہیں اور یہ بات اس کی غزلیات، قطعات اور منظومات سب پر صادق آتی ہے۔ ان کی غزلیات میں روایت کی مناسب نگہداشت بھی ہے اور آج کے درد کا دکھ بھرا احساس بھی۔ ذیل کے اشعار کو آپ جہاں چاہیں اردو اور فارسی غزل کی زریں روایت میں کہیں بھی فٹ کر سکتے ہیں۔

دفن صحرا میں رود کوثر ہے

وہ تعلق کہوں کہ تیری یاد

کہنا سننا کسی سے کچھ بھی نہیں

چاک اپنے ہیں آپ سیتے ہیں

نا کردہ گناہوں کی سزاؤں کے باب میں
وہ مسکرا دیئے ہیں مری بات ٹال کے

میں اُس کو سجدہ کر لوں
کوئی انسان ہو تو لاؤ
یہ شعر کز دامن و دملولم و انسائلم آرزو ست والے رومی کی بھی یاد دلاتا ہے
اور مرزا اسد اللہ خان غالب کی بھی:

بیاورید گر اینجا بود خندا نے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد
شہیدی کے اور کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

عقل مندوں کی جس نے کی تہذیب
ہم تو قایل ہیں اُس دوانے کے

دونوں عالم سے جھاڑ کر دامن
چاندنی سا نکھر گیا ہوں میں

حاصل شوق ہے دائمی زندگی
موت ہم سے ملی زندگی کی طرح

شہیدی غزل کی تنگ دامانی کے شاکی نہیں بلکہ اس کی اُس جامعیت کے
قتیل ہیں کہ جس سے یہ سمندروں کو، کوزوں میں سمیٹ سکتی ہے۔ وہ غزل کو

دبستان آگہی کا نام دیتے ہیں:

کہیے غزل کو کیوں نہ دبستان آگہی
ہر شعر کھولتا ہے جو دفتر نئے نئے
اس دبستان آگہی میں وہ آگہی کے آشوب کو بھی سمو لیتے ہیں اور انسانیت
اور کشمیر کے درد کو بھی:

جسم صحرا میں گم گشتگی کی طرح
میں بھٹکتا رہا اجنبی کی طرح

کیجئے اس پہ تبصرہ کچھ آپ
ہونٹ اپنے ہیں اُن کے تالے ہیں

ناخدا جس کا باخدا نہ ہوا
کیا بھروسہ ہے اُس سفینے کا
’دردِ اک میٹھا جگادے کوئی ہے؟‘ اور ’دن اندھیروں میں کھو گئیں آنکھیں‘ مطلع
والی غزلیں پوری کی پوری اس اعتبار سے لائق توجہ ہیں۔ اس باب میں یہ بات بھی اہم
ہے کہ شہیدی صاحب جدیدیت (بدلے ہوئے حالات میں اس کی بگڑی ہوئی شکل کو
پس جدیدیت کہتے ہیں) کے مسلک سے منسلک ہوئے بغیر اور اس کی واہیات سے
احتراز کرتے ہوئے اس کے قابل قدر عنصر کو اپنی شاعری میں بخوبی سمو لیتے ہیں:

مشین ساز مشینوں کی آگیا زد میں
سنا ہے تبصرہ لوگوں سے یہ کہ بہرا ہوں

آسمان پک eGangotri Digitized by ہم کو
اجنبی، اجنبی ہیں مادر زاد

جب بھی حد سے گذر گیا ہوں میں
مجھ سے باغی ہوا مرا ہم زاد

میرا اپنا ہی سایہ نہ ہو سامنے
اک فرشتہ ملا آدمی کی طرح

شہیدی صاحب کا سماجی، درصحت مند، زندہ و متحرک اور مسلسل چوکنا ہے
اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے ہاتھوں یہ حقیقی شاعری کا روپ دھار لیتا ہے ورنہ
یہ کچے ہاتھوں میں صحافت یا خطابت کے قبیل کی چیز بن جاتا ہے۔ کشمیر سے متعلق
اُن کے اشعار بالخصوص ان کی منظومات اس کی بہترین توضیح ہیں۔ اس موضوع پر
اُن کی منظومات میں سب سے زیادہ وقیع اُن کی نظم 'تعارف' ہے۔ 'دوستو'، 'دامی'
تا بندگی، 'یادوں کا لمس'، 'فریب کھاتا نہیں دوبارہ' اور 'خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے'
اسی نوع کی نظمیں ہیں۔ موخر الذکر نظم اقبال کے ایک شعر پر تضمین ہے اور اس امر کی
شہادت فراہم کرتی ہے کہ تضمین کے باب میں شہیدی کو غیر معمولی ملکہ حاصل
ہے۔ اُن کے قطعات اور ان کی نعتوں میں بھی ان کی شاعرانہ صلاحیت نکھر کر
سامنے آئی ہے۔ حق یہ ہے کہ قطعات اور نعتیں کتاب کا سب سے جاندار حصہ ہیں۔
شہیدی صاحب کی آخری دور کی غزلیات و منظومات ایک نئے ہی
رجحان، پختگی شعور، بالیدگی جذبہ و احساس اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قادر

الکلامی کی آئینہ دار ہیں اور ان کا تقریباً قریباً ہر شعر جاذب توجہ اور قابل مطالعہ ہے۔ کشمیر کی اردو شاعری کے گیسو سنوارنے والوں کی صف میں شہیدی صاحب کو ایک ممتاز اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ اگرچہ ہم اس حد تک شاید نہ جا پائیں جس حد تک اُن کا یہ شعر جاتا ہے:

مجھے ہرگز نہیں دعوائے غالب
حضور اس عہد غم کا میر ہوں میں

یہ شعر اس شاعرانہ تعلیٰ کی قبیل سے ہے جس سے اردو اور فارسی شاعروں کا دامن مالا مال ہے اور جو غزل کی دائمی رعنائیوں میں سے ایک ہے۔ انہیں خود بھی اس کثیر الجہتی اور حیرت زار نگارنگی کا دعویٰ نہیں جو بڑی شاعری کی امتیازی خصوصیت ہوتی ہے مگر اُن کی تازہ ترین شاعری ایک نئی اڑان کا پتہ دیتی ہے اللہ کرے کہ ان کا شاعرانہ مستقبل نئی رفعتوں سے ہمکنار ہو:

ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

(پروفیسر) غلام رسول ملک
نسیم باغ سرینگر

اپنی بات

میں سطح گیتی پر ایک ایسے خطہ میں پیدا ہوا ہوں جس کو فردوس ارضی کہا گیا ہے۔ یہ فردوس ارضی کن کیلئے ہے۔ ان کیلئے جو کشمیر سے باہر کے لوگ ہیں۔ خواہ بادشاہ رہے ہوں۔ یا ان کے مصاحب۔ ادیب رہے ہوں یا نازک جذبات رکھنے والے حسن پرست شاعر۔ مناظر قدرت کے دلدادہ ہوں یا تپتے ہوئے صحراؤں کے باشندے۔ گرم مرغ کباب است بابال و پرآید کا نعرہ مستانہ انہی کا دیا ہوا ہے۔ البتہ یہاں کے مکینوں کے دلوں کو جس کسی نے ٹٹولا ہے اس نے زمینی حقائق میں اتر کر وہ کچھ کہا ہے جس کو دیانتداری اور انسان دوستی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ میرے والد صاحب ایک محنتی حلال خور کاری کرتے تھے۔ فارسی کی کلاسیکی کتابوں کو پڑھا تھا اور تصوف کے اسرار رموز سے واقف تھے۔ انہوں نے بچپن ہی میں مجھے ان سے اس طرح روشناس کیا تھا کہ یہ میرے جزو زندگی بن گئے تھے۔ سچائی محنت اور خدمت یہ میری طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو پانچویں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ مجھے نہیں معلوم ہندوستان ایک ملک تھا وہ کیوں اور کیسے بٹ گیا تھا۔ میں نے اپنے گھر کے اوپر سے چھوٹے چھوٹے ہوائی جہاز اڑتے دیکھے تھے اور اپنے مکان کی چھت پر ان کے کرتب دیکھتا تھا۔ سنا تھا کہ یہ بمباری کرتے ہیں کن پر؟ قبائلوں۔ جو کشمیر سے مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج کو ختم کر چکے تھے اب ہوائی اڈہ پر قبضہ کرنے والے تھے۔ یہ ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا۔ کشمیری لوگوں کا ایک قائد شیخ محمد

عبداللہ ہوا کرتا تھا۔ جو ہندوستان سے ہندوستانی فوج کو لایا تھا۔ کوئی معاہدہ کر لیا
 تھا یہ قائد اول اول ہندوستانی لیڈروں کی آنکھ کا تار تھا اور رفتہ رفتہ کھٹکتا خار بن
 گیا..... میں نے شروع ہی سے آس پاس افراتفری دیکھی تھی اور اس پر غور کرنے لگا
 تھا۔ جب میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرنے لگا تو تعلیم پڑھنے کے ساتھ۔ غور و فکر
 سے حاصل کردہ نتائج کو کسی رنگ میں اظہار کرنا چاہتا تھا..... مجھے اردو زبان و ادب
 اور فارسی کی تعلیم کچھ اس طرح ملی کہ اپنے خیالات کو منظوم شکل میں بیان کرنے سے
 خوشی محسوس کرنے لگا..... ۴۹، ۵۰ اور ۵۱ میں ایس پی ہائی سکول میں میری تعلیم کے
 دوران وہاں کا ماحول کچھ ایسا ملا کہ شاعری سے اور رغبت ہو گئی۔ اردو زبان کے
 اکابر شاعروں میں سے خواجہ میر درد، غالب آتش اور اقبال کو اکثر پڑھتا رہا۔ میرے
 سکول میں بڑے بڑے دانشور اساتذہ پڑھایا کرتے تھے ان میں ادیب اور منجھے
 ہوئے شعراء بھی تھے۔ انقلاب، ناظر، مصدر اور چراغی۔ سکول میں ہفتہ میں ایک
 بار مختلف موضوعات پر ذہین طلباء سے بحث و مباحثہ کرایا کرتے تھے۔ پاس ہی ایس
 پی کالج میں کل ہند مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے میں ان کو سننے جاتا تھا۔ غیر
 شعوری طور میرے ذہن کی زمین سے مقفی مسجع عبارتیں اُگا کرتی تھیں۔ دسویں کا
 طالب علم ہوتے ہوئے اگر چاندنی رات میں سیر پر مضمون لکھنا ہوتا تھا تو بیس تیس
 صفحات پر یہ مضمون پھیلتا تھا۔ پھر میری طبیعت سخت کوش اور شعلہ نوش ہونے کے
 سبب میں بہت آگے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ 1962 میں میں اپنا اردو مجموعہ کلام
 آزاد کتاب گھر کلاں محل دہلی سے چھپوانا چاہتا تھا جو نہ جانے کیا ہوا۔ ڈاکٹر شکیل
 الرحمن جب کشمیر یونیورسٹی میں بحیثیت اردو پروفیسر تعینات ہو کر آئے تو وہ میرے
 محلہ میں رہتے تھے انہوں نے میرا ایک مجموعہ کلام رقص حیات کے نام کا دیکھا تھا۔

1958ء سے میرا کلام دلی بھٹی فیض آباد میں جاری جگہوں سے نکلنے والے اردو رسائل میں گاہے گاہے چھپتا تھا۔ کشمیر کے اردو اخباروں اور کچھ لکھنؤ کے رسائل میں بھی شائع ہوتا رہا۔ میں نے 55-56 میں اسکول میچر بننا پسند کیا کہ روح انسانی کی تربیت میری آخرت کا سامان بنے۔ میرے والد صاحب جنت مکانی ہوئے تو مجھے تجارت بھی سنبھالنا پڑی۔ کشمیر سے باہر بھی جانا پڑتا۔ والد صاحب کی دکان بھی چلانے کا بندوبست کرنا پڑتا۔ چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کو پالنے پر وان چڑھانے، پھر ان کی شادیاں طویل الجھنوں میں گھر گیا۔ آس پاس سیاسی افراتفری نے دل کو بہت رنجیدہ کیا۔ اردو کی شعری دنیا میں میرے لکھنے سے کیا اضافہ ہوتا ہاں ایک چیز ضرورت تھی وہ یہ کہ اپنی طرح کی سوچ کو فنی لوازم کے ساتھ اگر پیش کر سکوں تو یہ میری شناخت بن سکتی تھی۔ ورنہ روایتی طوطیوں کی آوازیں بے شمار تھیں..... دور حاضر بڑا تیز رفتار دور ہے۔ قدروں کے جوڑ توڑ اور اٹھل پھل میں زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح ادب میں بھی نئی نئی لہریں اور رویں چلتی رہتی ہیں جن میں کبھی کبھی ہیجان و شدت رفتار کے بعد ٹھہرائے بھی آ جاتا ہے۔ برسوں سے ہندوپاک کے جتنے بھی اردو کے رسائل نکلتے ہیں ان سب پر ایک ہی طرح کی چھاپ نہیں ہوتی۔ اس لئے ایک دیانتدار نقاد کو اس وقت کڑی آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے جب اسے ہر طرح کے ادب اور شاعری کو سامنے رکھ کر اپنا نقطہ نظر پیش کرنا پڑتا ہے۔ میں موجودہ تنقید سے بھی مطمئن نہیں کیونکہ اس میں نقاد اپنی ذات کے اظہار اور تفسیر پر زیادہ زور دیتا ہے اور فن کار کے فن اور اس کی ذات پر کم اسی لئے چند ایک معتبر نقاد ان فن اب یہ کہنے لگے ہیں کہ گزشتہ 50 برسوں میں حالی جیسا نقاد اردو ادب نے پیدا نہیں کیا (ہر چند کہ مجھے کلی طور حالی کے طریقہ تنقید سے

بھی اتفاق نہیں)۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ فنکار کسی بھی زبان کا ہو، اس کے سامنے اپنے سماجی، سیاسی، معاشی اور نظریاتی شعور کے باوصف عالمی ادب بھی ہونا چاہئے اور اس طرح نقاد کو بھی اس پر نظر رکھنی چاہئے۔ پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ دور حاضر میں فن کا کوئی خاص پیمانہ آخری حیثیت نہیں رکھتا۔ جس طرح زندگی میں تنوع ہے رنگارنگی اور بدلتی قدروں کا کمال و زوال ہوتا ہے۔ بعینہ معیار فن بھی متحرک ہے۔ لیکن ایک بات پھر بھی رہتی ہے وہ یہ کہ امتداد زمانہ کے باوجود کچھ مشترکہ قدروں کا چلن اور ان کی خوبصورت ترجمانی ہی عظیم ادب کہلاتی ہے۔ چنانچہ عظیم فنکار ہر دور میں عظیم ہی رہتے ہیں۔ میں آج کا مجموعہ کلام 'انکشاف' کشمیر اور دنیا کے سیاسی، سماجی، معاشی اور فکری پس منظر میں رکھ کر پیش کرتا ہوں اسے آپ بخوبی جان سکتے ہیں۔ البتہ الیکٹرانک میڈیا کے سیل رواں کے آگے کتاب کو پڑھنا کارے دار و والا معاملہ ہے۔ پھر اس پر اپنے رد عمل کا اظہار کرنا اور بھی شوق فضول اور اور جرات رندانہ کا متقاضی ہے۔

سلطان الحق شہیدی

حمد

خداے لم یزل تو مہرباں ہے
 ثنا تیری۔ ہر اک شے سے عیاں ہے
 تو مصدر ہے تو معدن ہے تو مخزن
 مسبب! ہیں ترے اسباب سارے
 نہیں تھا کچھ تو تو تھا تو ہی ہوگا
 تعین ہو نہیں سکتا ہے تیرا
 جسے ارض و سما سمجھے ہیں ہم لوگ
 ازل سے تا ابد جو کچھ بھی دیکھیں
 شعور و آگہی جس جا ہے عاجز
 ستارے چاند سورج اور فضا کیں
 ترے ابلیس و آدم کی کہانی
 نہ کوئی خوف نے کچھ غم ہے جس کو
 مرا دل میرا سینہ میری دھڑکن
 تمہارا ذکر ہے تسکین خاطر
 ثناء کے بعد ہے تو جس سے راضی
 تو اپنے آپ ہے تعریف اپنی
 سوائے تیرے۔ سب وہم و گماں ہے
 سکوت اپنا کہیں جس کو بیاں ہے
 نہاں ہے تو ہی اور تو ہی عیاں ہے
 کہ تو بے رنگ رنگوں سے عیاں ہے
 سوا تیرے وجود اپنا کہاں ہے
 مکاں کوئی نہ کوئی لامکاں ہے
 وہ تیری صنعتوں کی اک دکان ہے
 ہر اک جا تیرا ہی سکھ رواں ہے
 وہیں سے ابتداء کن فکاں ہے
 غرض ہر چیز میں تیرا نشان ہے
 مسلسل خیر و شر کی داستاں ہے
 ولی تیرا ہے تیرا رازداں ہے
 تری بخشش کا خالص ترجمان ہے
 بغیر اس کے زمانہ بے اماں ہے
 وہ مدح خواجہ کون و مکاں ہے
 ترا ہمسر نہ کوئی ہم زباں ہے

نعت

وہ جان کائنات ہے وہ بے مثال ہے
وہ اشرف البشر ہے خدائی کا لال ہے

اپنائیت کی ڈور میں سب کو پرو دیا
نئے رنگ و نسل ہے نہ نزاعِ مقال ہے

زہراب زیت چشمہ حیواں بنادیا
اُمید کرم ہے وہ کہ برستا گلال ہے!

خلد اماں ہے سب کو جو دیکھیں گے اس طرف
جو پیٹھ پھیر لیں گے تو جنگ و جدال ہے

ہے ضامنِ حیات فقط اس کی آرزو
باقی تمام وہم و طلسم و خیال ہے

صدقے میں وہ جو چاہے تو کونیں بخش دے
 نازاں یوں اپنے آپ پر دستِ سوال ہے!!

دیوانِ جُو وکل میں فقط اس کا ذکر خیر
 میزانِ خیر و شر ہے حدِ اعتدال ہے

اس کی اگر نہ مانیو سادہ سی بات بھی
 عقلِ تمام جہلِ مرکبِ مثال ہے





سرتا قدم غبار سفر سے اٹا ہوا
وہ شخص قافلے سے ہے شاید ہٹا ہوا

احساس فرض پیار غم زیت فکر مرگ
خانوں میں آدمی ہے ازل سے بٹا ہوا

ناموس و ننگ پاس وفا۔ قول یا قرار
فرسودہ اک سبق ہے زبانی رٹا ہوا!

نوک مڑہ سے ہم نے رفو کر لیا انہیں
دامن جگہ جگہ سے تھا جن کا پھٹا ہوا

آماجگاہ شوق نہیں عہدِ حال میں
ساحل سے دور دل ہے جزیرہ کٹا ہوا

برفاب ہو کے گر پڑا دریا و دشت پر
بادل بھی تھا عقاب مگر پر کٹا ہوا

عفریت شبِ شکار سحر ہو گئے تمام
سورج سپاہِ نور لئے تھا ڈٹا ہوا





یہ گونجیں الامان والحدیر کی
یہی ہے دین موجودہ بشر کی

نہ دیکھو گے کسی محسن کے پگڑی
کہ ہے یہ ریت اس پورے نگر کی

چُھیں ہیں برف کی کیلیں برابر
شبِ فرقت جو کرنا تھی بسر کی

جو ساری زندگی ہم نے اٹھایا
وہ گھر ہی ڈھ گیا سازش تھی گھر کی

ستارے آنکھ میچے جاں بلب ہیں
شرافت دیکھ لی ہے بحر و بر کی

نہ رکھتے سانپ اپنی آستیں میں
خطا یہ بارہا ہم نے مگر کی

سموتے ہم حریفوں کو بھی اس میں
کہاں وسعت یہ دامن نظر کی

جہاد نور میں ہر شب ہے مصروف
کسی کو کیا خبر نجم سحر کی!!





فخر کرے تھا عرش بھی جس پر ہے تحریر فسانوں میں
جانے وہ کیا بات ہوئی وہ بات نہیں انسانوں میں

پاؤں سر پر رکھ کر بھاگ نہ جائے تو پھر جانوں میں
البیلا وہ البیلا ہے جو کھیلے طوفانوں میں

زیست کے ہر اک شعبے کی بن جانے یہ تعمیر نہ کر
کام بگڑ کے رہتے ہیں جب ہوش رہے دیوانوں میں

بازاروں میں بھاؤ بڑھے ہیں مول نہیں کچھ روپے کا
لیکن ”سب کچھ ٹھیک“ کا چرچا ہے اونچے ایوانوں میں

بات سمجھنے کی ہے، اس کے متوالوں کا حال ہے کیا
نقش ہیں جس کے پیار کے سارے آگ بھرے پیمانوں میں





شاید شہر تمنا میں یہ دل کا بالک کھویا ہے
سونے شلیر کی سونی بارہ دری پر سویا ہے

کن سے پہلے کن کن کو کس کس جانب سے آتا تھا
نا تھا وہ معلوم۔ نہ یہ ہے۔ کون کہاں پر کھویا ہے

چینی چینی دھار دھویں کی اُگلے اگلے پھرتی ہے
دھرتی دھرتی اجلا امبر کتنی کالک دھویا ہے

جہلم جہلم ناؤ چلے کیا تنکا تنکا ٹھہرا ہے
دیکھ در نے قطرہ قطرہ اپنے بیج سمویا ہے

گردن گردن طوق پڑا ہے بے بس ہے بڈشاہ نہ پوچھ
آزادی کا بادل ہر مکھ ہر مکھ کتنا رویا ہے

ساتھی جس کی خاطر تیرے دل میں اتنی ٹیس اٹھی
کاٹ رہا ہے آج وہی سب جو کچھ اس نے بویا ہے





اب جو باغ میں چھپ کر دیکھا
تپتی آگ کا منظر دیکھا

گم ہے وہ اخلاص کا پتلا
ہم نے اندر باہر دیکھا

تر سے اک اک بوند کو گھر میں
گھر میں ان کے ساگر دیکھا

دھرتی کے ہتھیارے توبہ!
جیب میں ان کے امبر دیکھا



کوئی دریا کوئی سراب نہ تھا
تشنگی کا مگر جواب نہ تھا

یہ الگ بات ہے۔ نہیں توڑا!
شاخ پر ورنہ کیا گلاب نہ تھا!

خوردہ گیری اسی کو دیتی زیب!
آپ جو صاحب کتاب نہ تھا!

قافلے رات رات چلتے تھے!
جس نے دیکھا وہ محو خواب نہ تھا!

تہہ میں ساگر کے۔ برق عالم سوز!
جس نے رکھی وہ آب آب نہ تھا!

رہ گیا جو حصار ذات میں۔ وہ
اتنا بکھرا کہ کچھ حساب نہ تھا





آپ سے آپ ہو گیا کیا کچھ
جاگنے پر بھی سو گیا کیا کچھ

باوجودیکہ سخت پہرہ تھا
پھر بھی اس دل سے کھو گیا کیا کچھ

قطرہ اشک وہ ندامت کا
میرے دامن سے دھو گیا کیا کچھ

ہاتھ آئے نہ آئے کیا معلوم
دوستو! ہمدو! گیا کیا کچھ

ایک صحرا تھا۔ زندگی کیا تھی
آدمی پھر بھی بو گیا کیا کچھ!



مسجدوں کا بھرا ہے جن میں تیل
دیر میں وہ چراغ جلتے ہیں

بج اٹھے ہیں اذان سے ناقوس
اہل دل کے دماغ جلتے ہیں

شیخ صاحب کی پارسائی پر
میکدے کے ایام جلتے ہیں

ہم غریبوں کی حق ادائی پر
صاحبان فراغ جلتے ہیں!

وہ بھی دیکھا تھا آج یہ بھی دیکھ
بجھ گئے تھے جو داغ جلتے ہیں

بلبلان چمن ہیں خوش الحان
جانے کیوں ان سے زاغ جلتے ہیں

کون رہزن ہے کون پردہ دار
پا لیا ہے سراغ جلتے ہیں!





عجیب بات ہے منزل نہ کوئی جادہ ہے
نہ جانے ذوق طلب پھر بھی کیوں زیادہ ہے

لگے ہے پیش پا فتادہ جس کو ہر اک شے
وہ شرق و غرب کی پرواز برق زادہ ہے

یہ دیکھ لیجئے رہے رزم گاہ کس کے ہاتھ
جنوں سوار ہے اپنا خرد پیادہ ہے

قدم قدم پہ ہوئی حادثات کی یورش
مگر وہ لوگ کہ جن کی جبیں کشادہ ہے

بلند تر ہے ستاروں سے بارگہ تیری
خلا نورد مرے دوست کیا ارادہ ہے

حروف اپنے معانی سے محو آویزش
تو داغ داغ سراپائے استفادہ ہے

نہ خوف کھا کہ ہوائیں ہوئی ہیں کیا سے کیا
غریب شہر! تری زندگی کا وعدہ ہے

بڑا کمال ہے اس کا حریف پیدا ہو
صلیب چوک میں مدت سے ایستادہ ہے

ملا نہ آج تک اس کو کوئی جمیل رقم
کتاب زیت ابھی تک ہماری سادہ ہے





کتنے بدشاہ لڑکھڑائے ہیں
جب شب شالیمر منائے ہیں

آرزوں کے ہاوس بوٹ اے دوست
دل کے ڈل لیک پر سجائے ہیں

لدر عرفاں تھے جو زمانے کے
ہر پہلگام میں سمائے ہیں

ذہن دیکھا جو وادی گلمرگ
رخش تنخیل چڑھ کے آئے ہیں

چشمہ شاہی بنے تو اپنے گرد
مردم و مرغ و مور آئے ہیں

بشت جموں تھا یا کوئی لداخ
آتے آتے ہی راس آئے ہیں

زندگانی ہے یا کوئی ہیمال
ناگ راجوں کے دل جلائے ہیں

ہے دیار غزل حیات انگیز
شعر صورت چنار اگلے ہیں





مرا مقام مسلم مگر میں تنہا ہوں
جواپورسٹ پہ گاڑا گیا وہ جھنڈا ہوں

کسی کو زعم اگر ہے کہ چڑھتا دریا ہوں
کہو کہ آنکھ ملائے میں تشنہ صحرا ہوں

نہ جانے قافلے گزرے ہیں کتنے مجھ پر سے
میں سخت جان ہوں کتنا کہ پھر بھی زندا ہوں

صبا میں سبزے میں طوطی میں نگہت گل میں
جس ایک رنگ میں ممکن تھا جلوہ آرا ہوں

مشین ساز مشینوں کی آگیا زد میں
سنا ہے تبصرہ لوگوں سے یہ کہ ”بہراہوں“

خلوص فکر کا تیشہ اٹھا کہ آجاؤ
جو سنگ درد میں پوشیدہ ہے وہ ہیرا ہوں

شفق کا خون ہر اک شام یہ گواہی دے
خطائے مہر؟ درخشاں ہے ”قتل ہوتا ہوں“

فضول ان سے توقع کسی کے کام آئیں!
جو اپنی ذات کے مرقد میں ریزاریزا ہوں

سماج واد کی تحدید ہے بجا لیکن
حضور کبیرے میں آپ رقص فرما ہوں؟

جہاں بھی دیکھئے چلتا ہے کفر کا سکہ
مجھے یہ فخر ہے مولا کہ تیرا بندہ ہوں





ہر گام اپنا عکس زمانے پہ ڈال دے
ممکن ہے یوں وہ زندگی لازوال دے

کر احتساب فکر و عمل اپنی ذات کا
ہے کام آج کا اسے کل پر نہ ڈال دے

ساری فضا ہوئی ہے ابھی سے دھواں دھواں
آتش فشاں پھٹے گا تو کیا کیا اُگل دے

ساگر کی تہہ میں بہر تعاقب ہے موج خون
ممکن ہے گاشیا کی چٹانیں اُبال دے

تاذہن ہو سکے نہ اندھیروں میں منجمد
جتنے بھی شعلے ہوں کہ شرارے اچھال دے

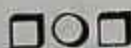
لذت سمیٹتا ہوں میں چھنے سے بار بار
اے چارہ گر بدن سے نہ کانٹے نکال دے

دل صاحب جمال نے آئینہ کر دیا
یہ اس کا حسن ظن ہے جو حسن خیال دے

ستے ہیں کر رہے ہیں مقدر کا کاروبار
دُزدان پارسا کی جنہیں تو مثال دے

مدت سے خیمہ پوش ہیں سینا میں سربکف
آفت میں ان کا کرب نہ دنیا کو ڈال دے

نقاد موج نور ہے میرا ہر ایک شعر
جو کچھ نہ ہو سکے گا تو کیچڑ اچھال دے!





زخم ملتے ہیں بے شمار نہ پوچھ
وقت ہے خود ہی چارہ کار نہ پوچھ

زخم اب شاخ شاخ کھلتے ہیں
موسم غم ہے سازگار نہ پوچھ

عین دریا مجھے سراب لگے
وصل میں کیوں ہے؟ انتظار نہ پوچھ

خوب آباد ہے خرابۂ دل
آرزوں کا وہ مزار نہ پوچھ !

ہم نے مانا چراغ جلتے ہیں!!
روشنی کیوں ہے سایہ دار نہ پوچھ

جسم ان کا انہیں حصار لگے
چاہتے ہیں کبھی فرار نہ پوچھ

سرخ مرقد کے سبز گنبد پر
اک پرندہ لہے بے قرار نہ پوچھ

ریت ہوتی ہوئی چٹانیں دیکھ
کون کتنا ہے استوار نہ پوچھ





جب تجھ سے کچھ نہ ہو سکے تو توڑ پھوڑ کر
یہ میرا کام ہے کہ رکھوں سب کو جوڑ کر

سائے میں خوف مرگ کے تسکین جاں کہاں
پیتے ہیں ماہ و سال میں لمحے نچوڑ کر

وہ اپنے دور سے رہے بیگانہ کیا مجال
ماضی سے جس نے حال کو رکھا ہے توڑ کر

اک ہائیڈروجن بام کو گرنا تھا گر گیا
اور احتجاج رہ گیا سر اپنا پھوڑ کر

یورش ہے مسئلوں کی تو گھر گھر ہے دیتنام
وہ جاں جاری ہے کئی جسم چھوڑ کر

تقریر چاہتے رہے ہیں سادہ لوح لوگ
اور سربراہ چل دئے مسند کو دوڑ کر

اس نوجواں کا ہاتھ قلم کر دیا گیا
رکھ دی کلائی وقت کی جس نے مروڑ کر

چلنا تھا جن کو چل دئے شہر نشاط کو
لیلائے غم سے جا نہ سکے منہ کو موڑ کر





جسم صحرا میں گم گشتگی کی طرح
میں بھٹکتا ہوں اک اجنبی کی طرح

دیکھئے دل کے نکلے نظر آئیں گے
میرا ہر اشک ہے آرسی کی طرح

ہے امرناٹھ اک دیپ اسرار کا
برف جس میں کہ جلتی ہے گھی کی طرح

میرا اپنا ہی سایہ نہ ہو سامنے
اک فرشتہ ملا آدمی کی طرح!

عصر حاضر میں یہ کاروبار غزل
بے دلی میں ہے اک دل لگی کی طرح



غم تھا دایان کی آرمی کی طرح
آرزو بڑھ گئی شاذلی کی طرح

دورِ ظلمت میں تابندگی کی طرح
دوستو ڈال دی زندگی کی طرح

کشف والہام کی بارشوں کے لئے
ابر چھا جانے دو آگہی کی طرح

جب کوئی ایوریٹ آگیا راہ میں
کر لیا ہم نے سر ہیلری کی طرح

دن میں سورج لگے ہے مگر رات کو
مجھ سے ملتا ہے وہ چاندنی کی طرح

حاصل شوق ہے دائمی جیتو!
موت ہم سے ملی زندگی کی طرح

یہ تمنا ہے میری ہمیشہ رہے
آدمی آدمی آدمی کی طرح





دل کے بیماروں کی سنتے ہیں جراحت ہوگی
 اسپتالوں کے حسینوں کی شرارت ہوگی

سوز دل سوز جگر سوز تمنا..... یعنی
 یہ کسی اور زمانے کی حکایت ہوگی

تاکہ بے گھر نہ رہیں شہر میں رہنے والے
 کھودئے زیر زمین کوئی عمارت ہوگی

تیل کے چشمے ہوں یا سونے کی کانیں آخر
 ہاتھ آئیں گی انہیں جن میں کہ طاقت ہوگی

نہ رہے کوئی زن و مرد کی پہچان اب کے
 کیا خبر تھی یہ ترقی کی علامت ہوگی

دیکھے محلوں میں آباد ہیں کیا کیا خانے
اور فٹ پاتھ پہ بے حال شرافت ہوگی

دوستو! لے کے چلو نقد و نظر کی مشعل
ظلمت انگیز جو فرسودہ قیادت ہوگی

ہم گل و خار کے زخموں کو زبان دیدیں گے
لوگ کہتے ہیں کہ گلشن میں بغاوت ہوگی





وہی ہے آتش نمرود و شیوہ شداد
وہی ہے حیلہ پرویز و تیشہ فرہاد

دل و نظر یہ چڑھائے ہیں خول انساں نے
نہ کوئی زخم محبت نہ مرہم امداد

گئی ہے خانہ ظلمت کو جاوداں کر کے
بجھے دئے کی طرح آگئی کسی کی یاد

ندیم فصل بہاراں کی بات کیا کرتے
ہر ایک شاخ جو ہو جائے خنجر بیداد

چلا نہ اس پہ کبھی زور قیصر و کسرا
رہی ہے مملکت دل ہمیشہ سے آزاد

کرے جو دردِ جگر عام بزمِ گیتی میں
نہیں ہے حرفِ غلط علمِ آگہی ایجاد

کشید خونِ جگر کی اگرچہ جاری ہے
ہوئے ہیں کیا کہیں پیدا وہ مانی و بہزاد

ہماری مردہ دلی کا یہی تقاضا ہے
ہمارے سر پہ مسلط رہیں ستمِ ایجاد



تمام سروصنوبر ہوئے تھے جس سے شاد
خمیدہ ہو گیا ہے باغ میں وہی شمشاد

اڑا کے لے گیا ان کو ہوا کا اک جھونکا
فصیل شہر کے اندر بھی لوگ تھے آباد

کسی طرح تو ہمارے بھی دن گذرتے ہیں
کسی نے قصر طرب کر لیا کرے آباد

یہ ان کی بزم میں جا کر ہوا ہمیں معلوم
فضول عرض تمنا ہے رائیگاں فریاد

سواد عرش سے آگے ہے منزل مقصود
یہ مہر و ماہ ہیں نچھیر اور میں صیاد

اسی سے رونق گلشن ہے استوار اپنی
اگرچہ سلسلہ رنگ و بو ہے بے بنیاد

سلوک شیخ رہا ہے بڑا کریمانہ
حرم میں جب سے ہوئے ہیں نئے صنم آباد

سکھا رہی ہے سبق ہم کو بحر ہستی میں
ہر ایک موج بلا۔ بن کے سلیں استاد!





چھوٹ جاتا ہے جب کوئی دم ساز
ٹوٹ جاتا ہے درد دل کا ساز

وقت کی ایک ہلکی ٹھوکر سے
ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہے شیشہ ناز

کہہ رہا ہے جنوں خرد سے آ !
کہکشاں سے ادھر کریں پرواز

ایک میں تھا کہ پڑھ لیا جس نے
ان کا چہرہ تھا اک صحیفہ راز

دست گلچین کو توڑ دیں گے ہم !
اہل گلشن ہیں میرے ہم آواز





جبر کے ہیں نئے نئے انداز
صاحب جور ہیں خود آئیں ساز

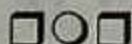
کیاری کیاری کھلے ہیں آگ کے پھول
دست فتنہ طراز کا اعجاز!

چک رہے ہیں جو فرش خاک پہ آج
ان کا دعویٰ تھا کل کہ ہیں شہباز

تخت شاہی تری دہائی ہے
کیا کروں میں زبان شکوہ دراز

اہل گلشن کی ترجمانی ہے
یہ مرے دل کی دکھ بھری آواز!

گھپ اندھیروں کے بعد ہو جائے
شاید اک نئی صبح کا آغاز!





حسن کے التفات میں عشق کی واردات میں
آپ شکار ہو گیا..... آپ ہی تھا جو گھات میں

فکر و عمل کے معجزات عصر جدید میں عیاں
ماہ و مرغ و کھکشاں طے ہوئے بات بات میں

آج بھی تازہ کار ہے خیر سے سنت حسین
گرچہ سفینہ یزید غرق ہوا فرات میں

صاحب دل بھی ہے وہی صاحب فکر بھی وہی
جس نے ثبات پالیا عالم بے ثبات میں

روشنیوں کی ظلمتیں جاگ اٹھی ہیں سو بہ سو
کاش کہ کوئی دل جلے کعبہ وسومناں میں

قول و قرار و دین و دل پاس وفا و ننگ و نام
کتے جزیرے بہہ گئے سیل تغیرات میں

قافلہ رہ گیا تمام راہ کی خاک چھان کر
آہ! خلوص غم نہ تھا میر سفر کی ذات میں

راکھ ہوئی ہے ہٹلری خاک ہوئی سکندری
دیکھئے حرف حرف یہ سورۂ عادیات میں

چارۂ درد لادوا ہونہ سکا تو کیا ہوا
ہم کوحیات مل گئی سلسلۂ ممات میں





تڑپ جس میں نہ تھی منزل کی بے نیل مرام آیا
جوانان سعادت مند کو لطف خرام آیا

شکایت ہے ترقی یافتہ تہذیب حاضر سے
کہ اس اس کو نہ کیوں باہم محبت کا نظام آیا

ہماری بے گناہی جرم ہے اس شہر میں یارو
سنا ہے عدل کی خاطر عمر ابن ہشام آیا

نمائش کوچہ و بازار میں ہے حسن خواہاں کی
نظر کے واسطے ہر اک قدم مشکل مقام آیا

یہاں کے کھیت اب بارود کی فصلیں اُگاتے ہیں
بھلا کس سے کہیں کیا معیشت کا نظام آیا

خلاؤں میں بھٹکتے رہنے سے بہتر ہے مرجانا
اگر انساں زمیں کے واسطے کچھ بھی نہ کام آیا

سمٹ کر رہ گیا ہے بحر و بر کیا دست آہن میں
چھلکتا خون آدم کا شفق کے ہاتھ جام آیا

بت پندار ہر جا ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا ہے
خود اس کے ہاتھ میں اپنی فنا کا اہتمام آیا

اٹھا کے رکھ دیا ہے جس نے محسوسات کا پردہ
نظر اس کو بہر جانب وہی خورشید فام آیا

کلیسا و کنشت و کعبہ و بتخانہ صدیوں تک
رہے نالاں تو بزم عشق سے کوئی پیام آیا





خرد بیجاری میں رہ گئی دل کا مقام آیا
یہ سوز درد ہے جس کیلئے نقش دوام آیا

اٹھا کر رکھ دیا تہہ کر کے اس نے محشر ستاں کو
کہ جس دم بزم گیتی میں کوئی مست خرام آیا

گریباں چاک ہوں روز ازل ہی وحشت دل سے
اسی باعث میں گلزار جہاں میں لالہ فام آیا

اجالا ہی اجالا ہو گیا تاریک راتوں میں
تصور میں جو وہ خورشید رو بالائے بام آیا

یہ فیض غنیمت ہے کہ اعجاز عنایت ہے
کہ میں طوفان ہستی سے پلٹ کر شاد کام آیا

وہ شاہیں جو پلا ہے عمر بھڑانگوں کی صحبت میں
بہت اونچا اڑا کرتا تھا لیکن زیر دام آیا

چمن میں غنچہ و گل نے شرافت بیچ ڈالی ہے
بھرادامن لئے گل چین اب کے صبح و شام آیا

بڑا ہی معرکہ تھا کوئے جاناں کی مسافت کا
نہ پوچھ اے ہم نشیں ہراک قدم کیسا مقام آیا

غموں سے دو جہانوں کے خلاصی مل گئی مجھ کو
مرے اللہ !! میرے لب پہ جدم تیرا نام آیا !!





ہر گم ہر اک چوک یہ کیسی ادا لگے
بے زاریوں کے جشن کا اک سلسلہ لگے

گلشن میں ایک سرو سہی تھا بہت بلند
کیا کہئے شاخ شاخ وہی ٹوٹا لگے

کیوں کر یقین نہ آئے گا قتلِ حسین پر
جب اپنا شہر ہی مجھے اک کر بلا لگے

اب جائیے کہاں کہ جب اپنا مکان بھی
اک زوردار آندھی میں گرتا ہوا لگے

اہل وطن سے - دوست مجھے کچھ گلا نہیں
خود آگہی کی۔ جو بھی ہو۔ مجھ کو سزا لگے



آشفۃ حال غم زدہ شوریدہ سر ملے
خود اپنے آپ سے جو سدا بے خبر ملے

شاید علاج نرگس آشوب چشم ہو
شاید چمن میں آج کوئی دیدہ ور ملے!

ساحل پہ سن رہا ہوں سمندر کی شیخیاں
موجوں کی کشمکش سے گذر کر گھر ملے!

ہے آتش سیال ہراک برگ سبز بزر
اے دوست یہ ثبوت تو جل کر مگر ملے!

ہم نے خیال خام کی تصویر کھینچ لی!
خارا تراشی کرتے ہوئے شیشہ گر ملے

بے تہہ بنادے ہیں کئی۔ تو نے۔ تاجور
اے وقت تیری ٹھوکروں میں تاجور ملے





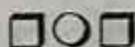
ماتا ہے دل سے دل جو نظر سے نظر ملے
تخصیص کچھ نہیں جو سررہگذر ملے

جب ارتباط جان و تن پہ غور کر لیا
ساحل کے پاس دیکھ لئے بحر و بر ملے

کوئی مجھے بتاؤ کہ جاؤں کہاں کہ جب
جنگل میں جا کے ہر طرف اپنا ہی گھر ملے

ہر چیز ایک ہے نہ زماں ہے نہ کچھ مکان
جانے ہے وہ کہ جس کو خود اپنی نظر ملے

آدم ، خلیل ، نوح ، حسین پور آجناب
راہ وفا میں ہم کو کئی راہبر ملے



باہر حصار ذات سے آنا سوال ہے
پھر ”آپ“ اور ”ہم“ رہیں کیسی مجال ہے

دامن چھڑا سکا نہ سیاہی سے آفتاب
صبح مراد شام تمنا مثال ہے

منہ کان ناک ذہن ابھی تک ہیں منجمد!
اے ماہ جون ان کا کچھلنا محال ہے

جہلم ، نشاط باغ ، دُور اور امر ناتھ
کشمیر سراپائے جلال و جمال ہے

ذوق صلیب و دارورکن ہے بقدر طرف
جو اہل ظرف ہے وہ آپ اپنی مثال ہے

ہر نگہ کی اور بزم شہیدی میں آکے دیکھ
نے شرق و غرب ہے نہ جنوب و شمال ہے

شہر میں

کون مجھ سا دل جلا ہے شہر میں
کون کس کا آشنا ہے شہر میں

بے قراری میں نہ یوں بھٹکا کرو
مُر خطر ہر راستہ ہے شہر میں

نا شناسائے سکوں ہے زندگی
یعنی ہر دل میں خلا ہے شہر میں

ساتھ میری جان لے جاتا مگر!!
سر چھپانا مسئلہ ہے شہر میں!

ہر طرف پھیلا ہے یہ کیسا دھواں
سایہ سایہ گم ہوا ہے شہر میں

جس کا پھل ہے کار بنگہ ٹھاٹھ باٹ
پیڑ اک ایسا اُگا ہے شہر میں!

مست مے رہتا ہے جو شام و سحر
ایک بس وہ پارسا ہے شہر میں

نقد سودا کر تجھے کیا چاہئے
پیار کرنے کی سزا ہے شہر میں

تیز رو گاڑی گچل ڈالے نہ دوست
شاہراہوں کا خدا ہے شہر میں

درد کی کھیتی کہیں پھلتی نہیں
کیسی زہریلی ہوا ہے شہر میں

بے اثر حرف رفاقت ہو گئے!
کوڑھ ہردل میں پلا ہے شہر میں

رو رہا ہے جنتِ گم گشتہ کو!
گاؤں سے آکر بسا ہے شہر میں

آپ اپنے آپ میں کھویے ہیں سب
چچ اپنی بے صدا ہے شہر میں

ڈھل رہے ہیں کارخانوں میں اصول
آدمی بے مدعا ہے شہر میں

روز ہوتا ہے یہاں سیتا ہرن
رام کو راون ملا ہے شہر میں

کوچہ کوچہ مانگیے شبیر کو
کوچہ کوچہ کربلا ہے شہر میں

کیا شہیدی سے ہیں واقف آپ بھی
ایک مخلص رہ رہا ہے شہر میں



ہم سے وعدے ہوئے نبھانے کے
دانت ہاتھی کے تھے دکھانے کے

دیکھتے دیکھتے یہ دیکھا دوست!
رنگ بدلے کئی زمانے کے !

جن کو گھر میں پناہ دی - ان کے!
اب ارادے ہیں گھر جلانے کے!

عقل مندوں کی جس نے کی تہذیب
ہم تو قایل ہیں اس دوانے کے

داد دیتا ہوں سخت جانی کی
کیا ہی منصوبے تھے مٹانے کے!

ہم سے اور شکوہ یہ نہیں ہوگا
ہم کہ عادی ہیں تیر کھانے کے!





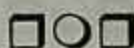
آپ کی بے رخی کو دیکھ لیا
دوست کی دشمنی کو دیکھ لیا

یہ نہ سمجھا کہ کوئی مرتا ہے
اپنی ہی دل لگی کو دیکھ لیا

میرے سپنوں کے تھے وہ سوداگر!
رشتہ عارضی کو دیکھ لیا

حسن تمکین نہیں جہالت ہے
بے سبب برہمی کو دیکھ لیا

پیار سے کر سکے نہ ہم توبہ
پیار کی بے بسی کو دیکھ لیا!





مچھلیوں کی کہاں ہے کھال نہ پوچھ
پانیوں میں ہے کیوں اُبال نہ پوچھ

ٹوٹی پھوٹی ہے چاند کی دلہیز
اور سورج گہن کا کال نہ پوچھ

عرش والے زمیں پہ اترے ہیں
عرش والوں کا یہ کمال نہ پوچھ

کوہ آتش فشاں کے دامن میں
لوگ رہتے ہیں بے خیال نہ پوچھ!

اپنے اندر چھپا لیا سایہ
دھوپ میں پیڑ کا کمال نہ پوچھ

کوئی عفریت لے اڑا ہے جواب
روگ بن جائے گا سوال نہ پوچھ

ڈل کنارے ہیں سوچ میں پنچھی
اڑ رہے ہیں ہوا میں جال نہ پوچھ

آپ اپنے میں کھو گیا جو شخص
اس سے اس کا بھی حال چال نہ پوچھ



آئے کب موسم وصال نہ پوچھ
ہو گئے کتنے ماہ و سال نہ پوچھ

پھر چلی آئی ہے بہار مگر!
زرد رُو کیوں ہے ڈال ڈال نہ پوچھ

دیکھنا ہے تو دل کی دنیا دیکھ
محشرستان کی مثال نہ پوچھ

ہاتھ ملتی ہے بے کسی اس پار
جنوری اور بانہال نہ پوچھ

اپنی پہچان اپنے پاس ہی رکھ!
میرے لوگوں کا حال چال نہ پوچھ

آبروئے وفا پہ نازاں ہوں
بچ گئی کیسے بال بال نہ پوچھ

عصر حاضر کا آدمی؟ تو بہ!
اپنی دستار کو سنبھال نہ پوچھ!!



آشوب روزگار کے چکر نئے نئے
مانگے ہے لمحہ لمحہ شناور نئے نئے

شاید کہ پھر وہ موسم گلریز آگیا
شاخیں نئی نئی ہیں تو خنجر نئے نئے

ممکن ہے اپنا عزم سفر ہو بہت بلند
حائل ہوئے ہیں راہ میں پتھر نئے نئے

کب سے ترے خلیل کو آنکھیں ترس گئیں
اللہ! گام گام ہیں آذر نئے نئے

ہر پیکر جمال ہے فردوسِ بداماں
خوشبو بکھیرتے ہیں کیا منظر نئے نئے

اس بارگاہِ ناز تک آنے کے واسطے
لازم ہے اپنے ساتھ ہوں شہپر نئے نئے

تاریکیوں کے جال میں آیا نہ آئے گا
خوشید آرزو کے ہیں خاور نئے نئے

مل جائے گا کسی نہ کسی کو قبول عام
یونہی تراشتے رہو پیکر نئے نئے

اک مرحلہ تھا سخت بہر حال طے ہوا
رکھے جو نوٹ سامنے گن کر نئے نئے

جب کاروبار شوق کی قدریں بدل گئیں
آباد دور دور ہوئے گھر نئے نئے

خوشبو پڑا سکا نہ کوئی پھول سے مگر
گلچیں نئے نئے تھے فسوں گر نئے نئے

کہتے غزل کو کیوں نہ دبستاں آگہی
ہر شعر کھولتا ہے جو دفتر نئے نئے





کے گی یہ سب گھاس کیسر کے مول
ملع چڑھاو جو بو باس کا

کھلی دھوپ ہے اس کی پیاسی بہت
لہو خشک ہوگا نہ احساس کا

مقفل ہے باب سخن آج تک
دریچہ کھلا ہے مگر آس کا

بھرے شہر میں کیوں ہیں تنہا یہ لوگ
زمانہ ہے یہ ان کے بن باس کا!

سمندر ملیں مجھ کو اخلاص کے
ہو اندازہ کچھ تو مری پیاس کا

تری یاد کی چاندنی ہے بہت
اندھیرا مٹھا جس سے وسواس کا

طلاطم ہے حالات کا اس قدر
سفینہ ڈبو دے نہ انفاس کا

مرے دوست غافل نہ رہنا کبھی
کہ ہے دوست دشمن ترے پاس کا

کشاد دردل ہو تو کیسے ہو؟
ہے موسم خیالوں کے افلاس کا

گزارے ہیں کچھ اس طرح ماہ و سال
کیا ہے جگر میں نے الماس کا



بام پر ہے بال کا موسم!
 صحن میں اشتعال کا موسم

شرق تا غرب ایک ہی منظر
 آگہی کے جدال کا موسم

سوے بغداد و کابل و تہران
 خونچکاں افعال کا موسم

آگ سے پھوٹھی ہوئی کونیل!
 خواب تھا یا خیال کا موسم

چشم حیرت نے پھر نہیں دیکھا
 وہ اذانِ بلال کا موسم

اپنے چہرے میں ڈھونڈتے کیا ہو؟
 آینوں میں ہے بال کا موسم

جلب زر میں جُٹے ہوئے فن کار
 ذہن و دل پر زوال کا موسم

فصل گل لٹ گئی یہ کہتا ہے
باغی قدموں میں جال کا موسم

اس کو کہتے ہیں وقت وقت کی بات
الف قد پر ہے دال کا موسم

شوق دیدار کو بڑھاتا ہے
زیر پردہ جمال کا موسم

دشت دل اور چاہتیں چاہیں
نوش لب کے وصال کا موسم

کانگری ہے نہ کونڈہ گھر میں
برف کا شہر کال کا موسم!

ڈاک خانے سے بھاگ آیا ہے
فون پر قیل و قال کا موسم!

کوئی ماضی نہ کوئی مستقبل
بے بہا نقد حال کا موسم





زمین دوز ہے تورات ہوا میں ہے انجیل
بھلا بتاؤ بھی اس خواب کی کوئی تاویل

جدید دور کے نمرود ہیں بہت بے باک
نہ کوئی زادۂ آذر - نہ کوئی اسماعیل

سدا حسین کے حصے میں آگیا صحرا
رواں یزید کے آنگن میں ہے فرات و نیل

سنا ہے دارورسن کا بھی اک زمانہ تھا
ہیں آج ٹینک کہیں۔ اور کہیں پہ میزائیل

اب اپنے قبضہ قدرت میں ہر قیامت ہے
بجے بجے نہ کبھی کوئی صور اسرافیل

فلک پہ زرد ستارے بھی آنکھ ملتے ہیں
زمین زمین ہے یا کوئی خون کی قندیل

بگولے وقت کے رستے میں اٹھتے رہتے ہیں
 کبھی تھا جرمنی قاہر تو اب ہے اسرائیل

دردنہ ایک بھی جنگل میں اب نہیں رہتا
 کہ شہر آپ ہی جنگل میں ہو گیا تبدیل

یہ عام لوگوں کا کرتب ہے دور حاضر میں
 کہ جب بھی چاہو کرو اپنے چہروں کو تبدیل

کسی کے سبز قدم چاند پر پڑے ہوں گے
 ہوئی ہے چاندنی اوپر خلاؤں میں تحلیل

مہینہ بعد نکالی گئی ہیں لمبے سے
 سنا ہے لاشوں کے نیچے تھی سونے کی زنبیل

تمام عمر اسی انتظار میں گزری
 کہ ہم بھی خواب تمنا کی دیکھ لیں تاویل





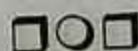
جانے کیا کیا کچھ تھا میں سمجھا ہوا
سمٹ سمٹا کے جواک نقطہ ہوا

زیست کے سانچے میں خود کو ڈھال کر
بوجھ تیری چاہ کا ہلکا ہوا

آنکھیں اتریں خود بخود زانو تلک
پاؤں سر تک آگئے یہ کیا ہوا

جر کے نیزے پہ ڈرائنگ روم میں
ایک آہن پوش تھا لٹکا ہوا

جاگ اٹھے گی مشیت کی کرن
راہ پائے کا کوئی بھٹکا ہوا





وہ جان بہاراں جو کشمیر نظر آئی
باتوں میں کیٹیلی تھی شمشیر نظر آئی

برفاب نہ دھو پایا وہ داغ ہیں دامن کے
آئینہ ڈل میں یہ تصویر نظر آئی

سورج کی جواں مرگی ہم خوب سمجھتے ہیں
جب زرد اجالوں کی تحریر نظر آئی

پاتال کے سینے میں آکاش کا خنجر ہے
تاروں کی ہنسی میں بھی تحقیر نظر آئی

زرتاب شبستاں میں دھبے ہیں شرافت کے
تہذیب کے ماتھے پر تفسیر نظر آئی

اے میرے چمن والو کیا آس لگائے ہو
کیا تم کو نہ کوئی بھی تدبیر نظر آئی

ساحل پہ پہنچنا یوں۔ کشتی کا نہیں ممکن
ہر موج وں اب کے زنجیر نظر آئی!

اس درجہ اندھیروں میں دم گھٹتا ہے گوپھر بھی
خوابوں کے جھروکوں سے تنویر نظر آئی

شعروں میں شہیدی کے جب غور کیا ہم نے
تلخابہ شیریں کی تاثیر نظر آئی



اشعار

تمام درد سمیٹے مٹھاس دیتا ہے
پھلوں میں رس ہے تو پھولوں میں باس دیتا ہے

حسد نہ بغض و عداوت نہ کوئی کینہ ہے
تمام حسن و محبت وہ اس کا سینہ ہے

خلوص نور کی مشعل ہے اس کے ہاتھوں میں
سجا کے رکھ دیا جس کو مطیع ماتھوں میں

متاع سودوزیاں کھوجیو نہ جھولی میں
عروس شوق و تلفت ہے اس کی ڈولی میں

دہک رہے ہیں اگر سر پہ سینکڑوں سورج
وہ شش جہات پہ سایہ فلکن چنار سا ہے

وہ فرش خاک پہ چلتا ہے عرش نگراں ہے
صدائے حرف بھی اس کا سکوت بہاں ہے

شریک جز ہے مگر کل بھی زیرِ داماں ہے
بڑا حلیم ہے اس کا کرم بھی ارزاں ہے

ازل صفت ہے ابد ہم کنار رہتا ہے
مرے وجود ہی کے آرپار رہتا ہے

ہر ایک رنگ سے باہر ہر ایک رنگ کے ساتھ
وہ میرے ہاتھ لگا ہے بڑے ریاض کے بعد



نظم

یہاں
 برف کی دبیز تہوں کی ڈھلانوں پر
 دھند میں.....
 سمور پوش جذبات..... سکیٹنگ کھیلتے ہیں
 سنا ہے
 دل..... کبھی وادی گلہرگ ہوا کرتا تھا
 وہاں کوئی..... دجلہ۔ دینوب یا نیل نہیں
 اسباب خیر سے لدے ہوئے
 فکر کے اونٹوں کا کاروان
 صحرائے طیبہ میں
 باد پیا ہے!
 اب ذہن میں..... حد نظر تک
 جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اگتی ہیں!!
 قدیم روایت ہے۔
 کہ
 یہاں نخلستان بھی ہوا کرتے تھے!!

نظم

قلمی سے جڑا ہوا۔

سونے کی اینٹوں کا فرش

چاندی کے منقش ستون

سلولائیڈ کے درود یوار۔

کانچ کی چھت کے اوپر

ہوا

پانی

اور آگ کے مست ہاتھی

چنگھاڑتے رہے

ایکس

وائی

زیڈ کی اشیاء سے مزین

خود کا رتہ خانے میں.....فلش کے پاس

دودھ میں لت پت

کو روغلاماں.....

جز ولا تجز اکا

تجزیہ!!

یادوں کا لمس

جان من!
 تیرے تغافل کی توجہ پا کر
 میرے احساس کی پازیب چھٹک اٹھتی ہے!
 لوریاں گانے اترتی ہیں
 فلک سے
 پریاں
 عہد ماضی کے جزیروں سے
 سفینوں میں لئے
 دف بجاتے ہوئے زریں لمحات
 ربط باہم کی حقیقت کے فسانے..... لے کر
 روز آتے ہیں
 یہاں تک..... ہر روز
 کوچہ دل میں
 اک ہنگامہ پیار ہوتا ہے!!

فریب کھاتا نہیں دوبارا

تمہاری باتیں
 تمہارے اپنوں کی..... دوستوں کی
 تمہارے سب دشمنوں کی باتیں
 شکوک میرے
 پہاڑ بن کر
 مری نگاہوں کو روکنے کیلئے کھڑے ہیں۔
 مری طلب کو عطا ہوئی ہے
 تمہارے ہونٹوں کی لن ترانی
 جو کہہ نہ پاؤں..... کسی سے
 مجھ کو سنار ہی ہے وہ اک کہانی
 چلیخ بن کر
 اتر رہی ہے
 چھوڑ رہی ہزاروں نشتر
 دل و جگر میں

کہ کوئی پرویز میری شیریں کو لے نہ پائے
میں اپنے عزم و عمل کا تیشہ
اٹھا کے آیا ہوں
کاٹ لوں گا۔

میں رفتہ رفتہ پہاڑ سارا
مجھے یقین ہے۔

وہ بیرزالہ
جو آگئی تھی فریب دینے
خجل ہوئی ہے
اسے خبر کیا؟!

میں دور حاضر کا کوہکن ہوں
فریب کھاتا نہیں دوبارا!!

نظم

شہر بدن کے مختلف راستے
 یہیں آ کر ملتے ہیں
 ”تمہارے ماتھے کہ اسی چوک پر کھڑے مینار کا بورڈ“
 جج کا منجمد دریا ہے!
 میری محبت اور توجہ کا لاو
 اس کے بہاؤ کا ضامن ہے
 بس ایک شرط..... کہ
 تجھ کو بھی ہو
 یقیں اس کا !!

یادگار

میری آمد پر
تمہارا اچنبھا
کچھ گراں نہیں گذرا
خلوص کی ڈلی ہوئی چائے
روح افزا ہے
سنو !

دنیا داری کی دوسری چیزوں سے
مجھے کوئی واسطہ نہیں
میری بے تاب گفتگو کے ساتھ
تمہاری طویل خاموشی کا رقص
مدتوں یادگار رہے گا !!

نذرانہ

کواڑ بند کر کے
بیچ دن میں سونے والے
کن خوابوں میں کھوئے ہو؟
اب جاگ بھی جاؤ..... کہ
دل کی دھڑکنیں دستک دے رہی ہیں
زمانے بھر کی نظر سے بچا بچا کے میں
تمہاری نذر کو لایا ہوں
بے پناہ جذبے
قبول کر لو انہیں
روز عید کے صدقے

”ایک نظم“

تمہارے
بولتے ہوئے
منضبط اعضا کے ہجوم میں
میری آوارہ پردگی (کی چیخ)
کھو گئی ہے
کہیں اس کا اتہ پتہ ملے تو میں بڑا ممنون رہوں گا
میر ایڈریس
تمہارے فکر کی جولانی ہے
تمہارے اعزاز پانے کی شہہ شرخی کا ضامن
تمہارا سربراہ
تمہاری تصویر کے بوجھ تلے
دب گیا ہے
مگر مطلق آزرہ نہیں !

طرز تحریر سے سمجھ لینا

پہلے سر آنکھوں پر بٹھا دینا
پھر تعجب ہے منہ چھپا لینا

یوں گذرتے ہیں دن مرے۔ جیسے
الٹے پانی میں ناو کا کھینا

تجھ کو دعویٰ تھا جانثاری کا
کیا قیامت ہے۔ اب بھلا دینا

غم نہیں ہے مجھے۔ مرے دل کا
سادگی سے فریب کھا لینا!

تجھ کو شاید نہیں ہے کچھ معلوم
لے کے دل - دل کسی کو دیدینا!

وقت نے کس کو آج تک بخشا
وقت آئے گا خود سمجھ لینا!

دینے آیا ہوں میں مبارک باد
عید جی بھر کے اب منا لینا

نام لکھنے پہ کچھ نہیں موقوف
طرز تحریر سے سمجھ لینا



”خضر سوچتا ہے دلر کے کنارے“

Digitized By eGangotri

ہمیشہ سے گرداب میں ناو کیوں ہے
کھوئے کے دل میں نیا گھاو کیوں ہے
پریشان مسافر ہیں سارے کے سارے
خضر سوچتا ہے دلر کے کنارے

ہمالہ کے چشمتے ہیں میراث اپنی
یہ دریا یہ جھرنے ہیں میراث اپنی
بدلتے نہیں ہیں مگر اپنے دھارے
خضر سوچتا ہے دلر کے کنارے

ہیں سنسان جنگل تو ویران صحرا
کسی نے بٹھایا ہے کیا ان پہ پہرا
ہیں شہروں کے سب لوگ گونگے بچارے
خضر سوچتا ہے دلر کے کنارے

گلستاں گلستاں ہے پت جھڑ کا موسم
نہ باد بہاری نہ سبزہ نہ شبنم
قفص میں یہ ناشاد بلبل پکارے
خضر سوچتا ہے دلر کے کنارے!!

یہ صیاد و گلچیں کی جادوگری ہے
 کہ اہل چمن میں گریباں دری ہے
 زمیں دوز ہیں فکر و احساس سارے
 خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

بہت تھے جو بدنام سالک بنے ہیں
 کراہیہ کے مہمان مالک بنے ہیں
 خود اہل مکاں پھرتے ہیں مارے مارے
 خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

گئے دن کہ تھے محتسب انجمن میں
 ہراک رند ہے طاق اب مکر و فن میں
 جسے دیکھو اس کے ہیں وارے نیارے
 خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

وہ رہبر کہ منزل سے خود بے خبر ہیں
 انہیں ہے یہ دعویٰ کہ اہل نظر ہیں
 مقدّر کے مفلس ہیں دامن پیارے
 خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

نہ مغرب کو فرصت نہ مشرق کو یارا
 نہ خود چاہتے ہوں کریں کوئی چارا
 بھلا ان پہ - کیوں کر - نہ برسیں شرارے
 خضر سوچتا ہے - دلر کے کنارے

یہ اقبال وانور کے خوابوں کی بستی
 نہاں خاک میں آفتابوں کی بستی
 مظالم بہر گام کب تک سہارے
 خضر سوچتا ہے دلر کے کنارے





جو نہ کرنا تھا کر گئے ہم لوگ
رنگ بے رنگ کر گئے ہم لوگ

رام بن باس لینے آئے گا
وعدہ کر کے مکر گئے ہم لوگ

موڑ ایسے بھی راہ میں آئے
آپ اپنے سے ڈر گئے ہم لوگ

حرف حق کا لباس کیا کہنا
آگ بن سے گذر گئے ہم لوگ

زندگی کا ہوا ہے اب آغاز
کون کہتا ہے مر گئے ہم لوگ!



اپنے پاؤں تلے زمیں ہی نہیں
بات کرتے ہیں چاند پر ہم لوگ

جنگِ آلام اور بے چینی
سب کا باعث ہیں بیشتر ہم لوگ

اڑ گئے مہر سے دیکھ کر بلی
کیا پرندے تھے شاخ پر ہم لوگ

سربلندی اسی میں ہے مضمحل
آپ اپنے ہوں چارہ گر ہم لوگ

یاد ہے دودھ کا سبق اب بھی
چھاچھ پیتے ہیں پھونک کر ہم لوگ





سیر جی بھر کے کر گیا ہوں میں
گھر سے آیا تھا گھر گیا ہوں میں

کالی آندھی چلی ہے کچھ ایسی
تکا تکا بکھر گیا ہوں میں

میں ہی میں تھا تمام تر موجود
حرف میں سے اتر گیا ہوں میں

دونوں عالم سے جھاڑ کر دامن
چاندنی سا نکھر گیا ہوں میں

غم فقط غم ہے میرا سرمایہ
ہر خوشی سے گذر گیا ہوں میں





ٹوٹے پیڑ اور بکھرے پھل
تیز ہوائیں تھیں پاگل

من مچھلی مانگے ہے جل
سو وہ تجھ بن ہے بے کل!

تارے موتی شبنم کے
امبر اک بھیگا آنجل!

دھرتی کی سوغات کی خیر
چاند نگر میں ہے ہلچل!

گونج انھی ہے شہنائی
کوکے یادوں کی کوئل!

وقت کے گھوڑے سوچ کے جوت
تب سورج رتھ لے کے چل!





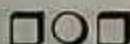
جوگی جھولی باندھ کے چل
اپنا کوئی ناگ نہ ڈل

گیت ہیں سب زخمی زخمی
اور لہولہان غزل

کس کس کو سیراب کرے
اگنی برساتا بادل

سرسوں کیا؟ بارود کے کھیت
یاد کسے اب مانسیل

آگن آگن خون کی دھار
کوچہ کوچہ ہے مقتل



بات خریدو کوڑی مول
انتر جس کا ہے انمول

خواب میں ہم نے دیکھا ہے
انگاروں سے کھلتے پھول

باگ سدا ہو تیرے ہاتھ
ظالم! یہ ہے تیری بھول

گولی آگ گرفتاری
یہ ہردن کا ہے معمول

صحرا صحرا ہے جل تھل
گلشن گلشن دھول ہی دھول

کانٹوں کو ہی چوم لیا
گلشن میں تھے پھول ہی پھول





میرا محسن ہے میرا مہرباں ہے
مرا غم ہی مرا راحت رساں ہے

جیں میری ہے تیرا آستاں ہے
یہی ہے بس یہی جائے اماں ہے

وہ سنگ میل جو منزل نشاں ہے
سراپا بے زباں ہو کر زباں ہے

یہ کیسی رُت ہے یہ کیسا سماں ہے
زمین گل ہے اور فصل سناں ہے

یہاں انصاف کی باتیں نہ کرنا
یہاں منصف انا کا ترجمان ہے

غموں کا قافلہ پہنچا ہے گھر تک
ادھر راحتِ عدو کی ہم عنایا ہے

شکایت اور غیروں سے خدایا
کہ گلچیں آپ اپنا باغباں ہے

یہ آویزش کا پھل ہے رہروں میں
نہ منزل ہے نہ منزل کا گماں ہے

کب اپنے حسن سے ہوگا شناسا
قتلِ شیوہ حسن بتاں ہے

عجب دستور دیکھا ہے جہاں کا
رہین رنجِ خود راحتِ رساں ہے

سمندر۔ رات۔ اک ٹوٹا سفینہ
یہ اپنی مختصر سی داستاں ہے!

رہا ہر دار ہر اک وار مہبوت
شہیدی تو بڑا ہی سخت جاں ہے



میرا کشمیر کیا جنت نشاں ہے
یہاں کا ہر مکین دوزخ بجاں ہے

جدھر دیکھو قیامت کا سماں ہے
جو کہہ سکتے نہیں وہ داستاں ہے

نہ عصمت ہے نہ عزت ہے نہ جان ہے
کہ جیسے سر پہ ٹوٹا آسماں ہے

ادھر چینیں ادھر آہ و فغاں ہے
کہ چپہ چپہ ہر سو بے اماں ہے

ہوا تیکھی ہے موسم بے نتیجہ
زیاں ہے بس زیاں ہے بس زیاں ہے

پکارے ہے لہو ہر ہر قدم پر
ادھر دیکھو ادھر کربل سماں ہے

کوئی امداد کو آئے کہاں سے
یہی لگتا ہے بہر اسب جہاں ہے



دوستو!

ہمدمو! تم مرے یار ہو

تم قلمکار ہو..... واقف کون واسرار ہو

بزم میں دوستوں کیلئے پیار ہو

رزم میں ظالموں کیلئے ایک للکار ہو

تیز تلوار ہو!

عزم میں مثل کہسار ہو.....

وسعتوں اور جذبات میں تند و طوفان ہو

بحرِ ذخار ہو

رفتوں میں ثریا کے ہم کار ہو..... عرش آزار ہو

تلملاتے ہو تم..... عرش سے فرش تک

نوع انسان جب رہن آزار ہو

آنکھ سے آنسوؤں کی جگہ

بہہ رہی..... خون کی دھار ہو

جانتا ہوں کہ ششدر ہو تم..... دیکھ کر اپنی جمہوریت

اصل میں ایک عفریت ہے

جبر اور قہر چنگیز کی ریت ہے

خشک ہونٹوں پہ اگتا کہیں گیت ہے.....؟

ظلمتوں کیلئے..... روشنی نام ہے
 ہر طرف ہر شریف النفس اور کمزور پامال ہے
 ہر ”محافظ“ کھڑاناگ ہے۔

ہر قدم آگ ہے
 دھجیاں عصمتوں کی ہیں بکھری ہوئی
 چھاتیاں کٹ کے ٹھٹھری ہوئی
 گال داغے ہوئے..... کھال اکھڑی ہوئی
 بال نوچے ہوئے لاش اکڑی ہوئی
 شہر شیراز میں

کھنڈروں کے سوا کچھ نہیں
 جس کو فردوس ارضی کہا کرتے تھے۔

اک بھیا نک سماں کے سوا کچھ نہیں۔

پھول کے پاس..... خوشبو پھٹکتی نہیں

اب کلی بھی چمن میں چٹکتی نہیں

ہر روش ناک میں دم ہے بارود سے

مرگ انبوہ ارزان ہے.....

اس خطا پر کہ کیوں اب ہمیں

آپ اپنے کی پہچان ہے.....!!

جن کی مسیں بھی بھیگی نہ تھیں
 ان جوانوں کے ہاتھوں میں اب
 اپنی تہذیب و تاریخ کے واسطے۔
 خود حفاظت کے ہتھیار ہیں۔ اور اہنسا کے داعی ادھر
 لے چڑھے ان پر بمبار ہیں
 ماؤں نے بیٹوں کو دے دیا حوصلہ۔
 اور بہنوں نے بھی بھائیوں کی مدد کیلئے.....
 تہ تیغ دیا اپنا سنگارتک
 حرمت آدمیت کی خاطر بردھیں دارتک
 دوستو! ہمدو!!
 تم میرے یار ہو۔ تم قلم کار ہو
 تم بھی آگے بڑھو
 خامہ ہاتھوں میں پتوار ہو
 بچ مجھدار ہو
 دیکھنا ڈوبنا جائے کشتی
 کسی بھی طرح پار ہو !!!

حاجتی۔ صاحب

تھی زبان حاجتی مومن قلم کی گلکاری
ایک اک لطیفہ تھا فلسفے پہ بھی بھاری
اس کی وضع خاص کا دیدنی یہ منظر تھا
سادگی میں پرکاری بے خودی میں ہشیاری



شیرازہ بند دفتر پارینہ۔ یادگار
اپنی زباں کی نثر کا سرمایہ افتخار
گو گفتگو کی راہ میں برسوں رہا خموش
پرساں حال موت پر ہے اس کی روزگار



مصلحت کے روز و شب میں مصلحت سے پاک تھا
وادی پر خار میں وہ راہی بے باک تھا
اس قدر جہتیں ملی تھیں مرد خود آگاہ میں
جانے کس کس کے لئے وہ عقدہ پیچاک تھا



درد اک بیٹھا جگا دے کوئی ہے؟
یہ کرشمہ جو دکھا دے کوئی ہے

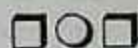
میری پلکوں سے اترتا کوہ غم
اک ذرا مجھ کو رُلا دے کوئی ہے

دل سپہ سردی نے پتھر کر دیا
دھوپ اپنی جو پلا دے کوئی ہے

شب گجر دم خود بخود تحلیل ہو
اس طرح جو مسکرا دے کوئی ہے

اک سکوت مرگ طاری ہو گیا
پھر سے اک ہلچل مچا دے کوئی ہے

بے سبب دنیا ہوئی۔ دشمن۔ تمام
جو ہمیں اپنا بنا دے کوئی ہے





دن اندھیروں میں کھو گئیں آنکھیں
شب اجالوں میں سو گئیں آنکھیں

زلزلہ گو سلا گیا کیا کچھ
شکر ہے جاگ تو گئیں آنکھیں

نقد اغراض کے عوض افسوس
رہن رہنے کو دو گئیں آنکھیں

رنگ آہنگ کا نرالا تھا
کان ہی کان ہو گئیں آنکھیں

خلوتوں میں جو خود پہ غور کیا
داغ دامن سے دھو گئیں آنکھیں

وہ چکا چوندا ان کے جلوؤں کی
تاب لائیں نہ تو گئیں آنکھیں

شاہزادہ ہے صبح آئے گا
خیر مقدم کو لو گئیں آنکھیں!

فکر و احساس چھا گئے بادل
بج غفراں کے بو گئیں آنکھیں

جانے منظر نظر سے کیا گذرا
خواب نشتر چھو گئیں آنکھیں



ساتھ ہر اک موڑ پر تو نے دیا
میرا ہر اک سانس ہے حمد و ثنا

جمع جتنا علم تھا میں نے کیا
کیا کہوں کیسے کہوں وہ کیا ہوا

کیاری کیاری پھول تھے کیا خوشنما
چہرہ چہرہ آدمی مر جھا گیا

گھٹن بڑھاپا دین ہے حالات کی
ورنہ میں کل کا جواں ہوں باخدا

مسکراہٹ مجھ سے میری چھین کر
اس نے دے مارا ہے مجھ پر قہقہا

بے صدا اک چیخ سینے میں لئے
زندگی کیا چیز ہے کھوجا کیا

کم نصیبی میری میں زرخیز ہوں
چے چے پر مرے قبضہ ہوا

لیجئے بارود کی خوشبو ہے یہ
سن لیا عطار یہ کہتا ہوا !

چاند سورج اور تارے نوچ کر
مجھ سے جو کچھ ہوسکا میں نے کیا

شعر جم جاتے ہیں ہونٹوں پر مرے
دھوپ موسم میں یہ کیا منظر کھلا

بے پنہ جذبے ہوا کرتے تھے جب
جب۔ سنا ہے آدمی تھا بے ریا

حادثہ ہے حادثہ ہے حادثہ
حادثہ کوئی نہیں اب حادثہ

بدگمانی کی ہوا تھی زہر ناک
وادرپچہ وا نہ پھر ہر گز ہوا!

پر کتر لیجئے رہا کر دیجئے
میرے بارے میں یہ منصوبہ بنا

اے شہیدی ہم ذرا مصروف تھے
ہاں تو کہئے آپ نے کیا کچھ کہا؟



خشک پتوں کا وار کیا کہنا
ڈھک گئے سبزہ زار کیا کہنا؟

جی رہے تھے بڑے سلیقے سے
گردش روزگار! کیا کہنا؟

زخم جتنے ملے سمیٹ لئے
ہم پہ تھا اعتبار کیا کہنا؟

سنگ ریزوں کی ایسی بارش میں
کانچ گھر استوار کیا کہنا

یعنی ہمسایوں کی نوازش سے
جل گئے بار بار کیا کہنا

کوکھ موسم کی پھر ہری ہوگی
پھر جنے گی بہار کیا کہنا





جن کو دیا تھا ہم نے کلیجہ نکال کے
کس منہ سے اب کہیں کہ تھے پتے وہاں کے

درآئے گا نہ جسم کی سرحد میں اب کبھی
پرزے اڑائے ہیں خلا میں ملال کے

اپنوں کے لئے کانٹے تو غیروں کے لئے پھول
رکھی ہے ہم نے اپنی روایت سنبھال کے

ناکردہ گناہوں کی سزاؤں کے باب میں
وہ مُسکرا دئے ہیں میری بات ٹال کے

اب لوگ مر رہے ہیں فقط زندگی کے ہاتھ
بیچاری موت رہ گئی ہتھیار ڈال کے

رومی ہو شیخ سعدی ہو جاتی ہو کہ اقبال
ہیں سب فریفتہ مرے صاحب جمال کے

دے کے شعور جاں مجھے ہمراز کر دیا
احسان کون گن سکے ہے ذوالجلال کے

اک روشنی کی بوند کو ترسے ہیں عمر بھر
تعمیر کرنے والے ہمیں تھے سلال کے

ایوان دل پہ رات کسی نے یہ لکھ دیا
جلوے تمام ہیں اسی اک بے مثال کے



نئی روشنی

اندھیر ہے اندھیر ہے اندھیر ہے اندھیر
اک روشنی نے مجھ کو بہر حال کیا زیر

وہ روشنی کہ تیرگی کو مات کر گئی
ابتدرمے تمام تر حالات کر گئی

راتوں کی نیند دن کا سکوں چھین لے گئی
گویا تمام مال و متاع چھین لے گئی

آنکھوں کا نور خیرہ گی کافور کر گئی
گھر فتنہ ہائے عصر سے معمور کر گئی

قلب و نظر پہ چادر غفلت کو ڈال کر
سکھلا رہی ہے ظلم و جفا کے نئے ہنر

جعل و فریب و مکر کو سکہ بنادیا
یعنی رواج نقد شرافت نہیں رہا!

خاموش نفرتوں کا اک طوفان چڑھ گیا
 بازار میں خود غرضیوں کا بھاؤ بڑھ گیا
 نگہت طراز پھولوں سے خوشبو پڑا گئی
 لو کا مزاج لے کے چلی جب صبا چلی
 شیر و شکر کو موت کا سامان کر گئی
 ایسی بجھائی پیاس کہ بے جان کر گئی
 تحقیر و طنز شیوہ انسان ہو گیا
 انسان ہو گیا کہ وہ حیوان ہو گیا
 ناموس و ننگ و نام کے تاروں کو نوچ کر
 عہد وفا کے چاند کو آئی دبوچ کر
 سورج چمک رہا تھا اسے داغ کر گئی
 ویران کاشمیر کا یہ باغ کر گئی
 اس روشنی کا دوستوں کچھ نام دیجئے
 کچھ تو ثبات زیت کا پیغام دیجئے
 جو کچھ نہ ہو سکے تو اک دُشنام دیجئے





بنی جان و دل کی سواری ہوا
ترے شہر کی جو پکاری ہوا

وہ دن یاد ہوں گے تجھے آج بھی
ہمارے یہاں تھی تمہاری ہوا

رہا جب نہ آپس میں کوئی ملاپ
تو اکھڑی ہماری تمہاری ہوا

جنی بارشیں آندھیاں بجلیاں
کبھی کہنے کو تھی کنواری ہوا

مرے اشک غم کا وہ ساگر نہ پوچھ
جسے پی گئی تابکاری ہوا

ہے دنیا سے اوجھل وہ دنیا مری
جہاں چلتی ہے خاکساری ہوا

زمانے کی رفتار ہے تیز تر
پچھاڑی ہے جس نے بچاری ہوا

درآمد برآمد میں داخل ہوئی
گراں ہو گئی کاروباری ہوا

نشین نشمن سلگنے لگے
ہوادے رہی ہے ہماری ہوا

بھاریں صلیبوں کا موسم ہوئیں
صبا بن گئی فوجداری ہوا

مرے ہم وطن بھی عجب لوگ ہیں
غذا جن کی پانی نہاری ہوا

جدھر دیکھتے جس ہی جس ہے
نہ جانے کہاں کو سدھاری ہوا

گلینہ سے بجنور جاتے ہوئے
غزل ہو گئی یادگاری ہوا



نظم

خوف

تنہائی کا عالم

ٹھو کریں

جنگل کی رات۔ بجلیاں۔ بارش

تعاقب ایک احساس زیاں کا ہر قدم

سانس ہے پھولا ہوا

کہہ نہیں سکتا ہے جو کس کس طرح کی۔ گھن گرج

ان کو نگل کر رہ گئی..... ایک اک ساتھی چھٹا

منزل مگر آتی نہیں

کہہ نہیں سکتا ہے کوئی کب سحر ہوگی طلوع

آبلہ پا اک تھکا اکڑا ہوا..... ٹوٹا بدن۔

گا ہے گا ہے۔ نام اپنا بھی جو پوچھے اور سے

بن کے جگنو۔ ایک ننھی آرزو

مرحبا !

صد مرحبا!! صد مرحبا!!!

رکھ رہی ہے اس کو گرم جستجو!



میں جسے لٹھی سمجھتا تھا وہ اجگر نکلا
بھائی کے ہاتھ سلگتا ہوا خنجر نکلا

یونہی دیوار پہ اگتے نہیں سازش کے بول
بونے ہمسایوں میں شاید میں قد آور نکلا

دیدنی تھی مرے احباب کے ماتھے کی شکن
جب کہیں منہ سے مرے قول پیمبر نکلا

تہہ میں ساگر کے اسے کب کے ڈبو آئے تھے
تھا وہ غواص لئے ہاتھ میں گوہر نکلا

باب اک اور اضافہ ہوا تاریخ میں جب
سطح گیتی کا وہ فردوس جو خنجر نکلا

دیکھتا رہ گیا منہ ناز ہمارے فن کا
اگلے وقتوں کا جو یہ غار مصور نکلا

اپنی ہی جان کی امان پانے کو چھپتا پھرتا
اگلے وقتوں کا کہاں سے یہ پیہر نکلا

شہر میں رہتا ہے رنگین سمجھتا تھا اسے
مل کے دیکھا تو شہیدی سا قلندر نکلا



میں خزاں کو بہار کرتا ہوں

کرب اک کرب اپنی خاموشی
نالہ اک نالہ نارسا سب کا
کالے کنکر سروں پہ برے ہیں
دن ڈھلے رات کا یہ نظارا
دور کیلاش دم بخود شکر
چاند ناگن جٹا سے گذرے ہے

جگمگاتے ہوئے ستارے چند
اپنی معصوم آرزوؤں کے
ٹوٹے بکھرے پڑے ہیں آنگن میں
منجد اک تپش ہے رگ رگ میں

میرے شاعر کا ہے یہ سندیہ
برف پگھلے گی بدلے گا موسم!
دل کو میرے تسلی دیتا تھا

دیکھنے کو Digitized By eGangotri کیا ہے؟

صبر کے رنگ برنگے غبارے!
بوڑھے بچے ہیں تھامے ہاتھوں میں
کوکیں ہیں کونٹلیں پلاسٹک کی

کیاریوں میں ہیں پھول اپورٹڈ
چلتی پھرتی ہیں ممیاں ہر سو

شالیر ہو کہ ہو نشاط ان میں
ہر طبق نایان سبزہ ہے

پا بہ زنجیر سرد اور شمشاد
زہر خند اور وہ چنار آباد

شاخ بادام ہوگی کب گلریز
سوچتے۔ سوچ ہوگئی چٹان

وقت۔ دوشیزہ کا پھٹا دامن
جب بھی دیکھو رنو میں ہے مصروف

بستر شرق سے اٹھا بیمار
صبح سورج ٹہلنے نکلا ہے

پھر سنائی دیا ہے سندیسہ

”برف پگھلے گی بدلے گا موسم“
درد اپنا لگا ہے پھر کم کم

اپنے شاعر سے پیار کرتا ہوں
خواب پر اعتبار کرتا ہوں
جبر کو اختیار کرتا ہوں

میں خزاں کو بہار کرتا ہوں!



دائمی تابندگی

سازشیں تخریب ساماں تیرگی جس کی اساس
شادمانی منہ چھپائے کج گلشن میں اداس
بے دلی تشلیک ابھرن بے یقینی کا ہراس
دم بخود بیٹھی ہے آس

جنگ پر اکسا رہے ہیں امن کے پیغام بر
کارخانوں میں ہیں تالے دفتروں میں شور و شر
مضطرب قلب و نظر ہے مضحمل عزم سفر
راہبر ہیں بے خبر

شہر کا سورج بھی ہے بے چارگی کا اشتہار
صبح آنے کو تو آئی تھی مگر بے اعتبار
قتل و خوں آدم کشی سمجھے ہیں وجہ افتخار
صاحبانِ ذی وقار

نفرتوں کا زہر لے کر اجنبی پٹھے ملے
 جو تباہی کے بجھائے جارہے ہیں سلسلے
 کہہ رہے ہیں جشن بربادی کا اس کو منچلے
 جس سے اپنا دل جلے

باہمی لطف و مروت دوستی مہر و وفا
 شمع اخلاص و محبت بجھ گئے ہیں جا بجا
 نور ظلمت پر تو شر ہے خیر پر بے انتہا
 دوست لیکن تا کجا؟

وقت کے پاتال سے ابھریں گے دیوی دیوتا
 سنگھ شمشیروں کو دیکھیں دشمنان بے حیا
 امن سے بیٹھیں اگر تو ہوں گے ان کو گل عطا
 ورنہ ہے ان کی خطا

وقت ٹھہرا تھا نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا کبھی
 تھا اندھیرا جس جگہ پہنچی وہاں بھی روشنی
 موت کی وادی میں رقصاں ہوگی آخر زندگی

اہل گلشن کو ملے گی
 زیت کی پائندگی
 دائمی..... تابندگی



ہوا کاغذ - مری آواز تحریر
اور اس آواز کا انداز تحریر

طلسماتی جہاں کہتے ہیں اس کو
بکھیرے ہے جہاں کا ساز تحریر

سمیٹے حرف و معنی ہے ابد تک
جبیں؟ لوح ازل اعجاز تحریر

ضرور ان نقرئی ہاتھوں کی ہوگی
لگے ہے ورنہ کیوں گلاباز تحریر

عیاں چہرہ مٹھپا دیکھا ہے اس میں
لب و لہجہ کی ہے غماز تحریر

حد ادراک سے آگے گیا ہوں
پری لے آئی ہے قفقاز تحریر

ادھر ہے موقلم۔ بہزاد و مانی
ادھر تیشہ بُت طناز تحریر

جہاں ہوتا ہے اک نایاب نکتہ
وہیں سے کرتی ہے پرواز تحریر

قلم ایسا شہیدی کو ملا ہے
سدا جس پر کرے ہے ناز تحریر





راج محل میں رہتے ہیں بس اندھے گونگے بہرے لوگ
جن کے آگے پیچھے گھومیں سب کے سب بے چہرے لوگ

کیا سے کیا کیا کچھ ہو جائے۔ ہم کو اس سے کیا مطلب؟
اپنے چوہے کی خاطر تو سچ مچ بالن شہرے لوگ

وادی اپنی۔ سبزہ اپنا۔ جہلم اپنا۔ ڈل اپنا
ہائے کہاں سے لاؤں لیکن گل۔ گلشن۔ گل چہرے لوگ

ہم نے ان کی ایک نہ مانی منہ لٹکائے لوٹ آئے
کتے خوش انجام ہیں دیکھا دور نظر دل گہرے لوگ

دورا ہے چورا ہے بن کر۔ سمتیں اپنی بھول گئے
بستی بستی نگر نگر اور نیاؤں میں شہرے لوگ

دعوت کا اک ہاتھ بڑھایا۔ سوسو ہاتھوں لوٹا ہے
ان کی نظروں میں تو ہم سب نفسی نفسی شہرے لوگ

خوب چکایا قرضہ احسانوں کا رام بھگوڑوں نے
وقت پڑا ان پر تو دیتے تھے ہم راتوں پہرے لوگ



بیاد حسینؑ

فرش نمناک عرش بھی نمناک
 سینہ ہر درد مند کا ہے چاک
 پاک معصوم خاص حق والے
 سامنے ان کے جھکتے ہیں افلاک

سدا باطل ہوا ہے حق سے برہم
 وہ حق ہے جو نہیں ہوتا ہے سرخم
 ہوا ہے جذب خون پاک اس میں
 ہے خاک کربلا زخموں کا مرہم

حسینی مدرسہ کہتے ہیں اس کو!!
 جو درس زیست دیتا ہے جہاں کو
 صداقت وہ لہو کی دھار ہے دھار
 گرے دھرتی پہ - مچھو لے آسمان کو



قاشیں

سروں پہ جو ہوئی تھی دستار گم ہے
 تشخص کا اپنے وہ اظہار گم ہے
 کیا تھا جو اپنوں نے اپنوں سے وعدہ
 بہ فیض تسلط وہ اقرار گم ہے

زہر ہیں حادثات پیتے ہیں
 ہم کہ مرمر کے روز جیتے ہیں
 کہنا سننا کسی سے کچھ بھی نہیں
 چاک اپنے ہیں آپ سیتے ہیں

جسے قرار نہیں اس کو جھوٹ کہتے ہیں
 سدا بہار نہیں اس کو جھوٹ کہتے ہیں!
 بدلتا رہتا ہے یہ گام گام اپنا رنگ
 جسے مدار نہیں اس کو جھوٹ کہتے ہیں!





کوئی چشمہ کوئی سراب نہیں
 تشنگی کا مگر جواب نہیں
 روشنی ہے کہیں کہیں لیکن
 شب کی ظلمت میں آفتاب نہیں

ان کے ہاں کوئی باریاب نہیں
 ہم جو پڑھتے یہ وہ کتاب نہیں
 دوری اپنوں سے غیروں سے قربت
 یہ طریق گنہ ثواب نہیں



قطعات

یاد ایام کوئی اپنا تھا وائے حسرت کے ایک سپنا تھا
گھاؤ کھائے ہیں گام گام بہت اصل میں درد کو پنپنا تھا



آپ نشتر ہے آپ ہی پھاہا
زندگی کیا ہے ایک دوراہا
خود کو پانے کی ایک کوشش تھی
ہم نے کب ٹوٹ کر انہیں چاہا!



شوق نے جب سے بکلی دیدی ذوق نے جب سے تشنگی دیدی
روشنی کو سمیٹ کر میں نے ساری دنیا کو زندگی دیدی



درد کا اعتبار رکھتا ہوں
آرزوئیں ہزار رکھتا ہوں
زندگی جس کے دم سے ہے روشن
وہ دل بے قرار رکھتا ہوں



قطعات

شورش درد کی فراوانی وجہ غم ہائے نوع انسانی
خود کو بھولا ہوں میں تری خاطر ہے ترے درد کی مہربانی

چلتے چلتے قیام کرتا ہوں
اپنے دل سے کلام کرتا ہوں
سامنے سے کوئی گذرتا ہے
بے خودی میں سلام کرتا ہوں

جان مضطر کو کچھ قرار آئے چہرہ زیست پر نکھار آئے
تیری آمد کا یہ کرشمہ ہے جیسے دیرانے میں بہار آئے

زیست ہو جائے شادماں اے دوست
لحمہ لحمہ ہو جاوداں اے دوست
تیری آمد کے منتظر ہیں تمام
چشم دل ہو کہ جسم و جاں اے دوست

قطعات

آرزوئے حیات کرنے دے گردشِ شش جہات کرنے دے
خیر و شر کیا ہے شوق کا مہمیز نقش اپنا ثبات کرنے دے

وقت آیا ہے ایک ہونے کا
ایک دو بے میں دوست کھونے کا
کاٹ ہی لیں گے زندگی کی فصل
وقت آیا ہے بیج بونے کا



وہ جسکا چاک دامن سل گیا ہے تمناؤں کا غنچہ کھل گیا ہے
مبارک صدمبارک باد اس کو شریکِ زیست جس کو مل گیا ہے



کیا جانے کس خیال میں منہ موڑ لیا ہے
اتنا قریب لاکے مجھے چھوڑ دیا ہے
شاید کھلونا جان کے پھینکا ہے آپ نے
نازک سا میرا شیشہ دل توڑ دیا ہے



اپنی کھوئی ساکھ کا تھا پیچ و تاب
سادہ لوحوں کیلئے تھا ”انقلاب“
وقت نے آخر یہ ثابت کر دیا
دیکھتے تھے وہ شہنشاہی کے خواب

جن کا دعویٰ تھا کہ ہم معصوم ہیں
لغزشیں ان کیلئے مقصوم۔ ہیں
بک گئے ہیں چند ٹکڑوں کے عوض
اہل دانش کیا کہیں؟ مغموم ہیں

ناز تھا جن کو شرافت کیلئے
نام تھا جن کا صداقت کیلئے
آج وہ اترے ہیں ایسی سطح پر
شہرہ ہے ان کا رذالت کیلئے

ہاتھ پائی دھینگامشی دھاندلی
ہے ایکشن کی روایت آج بھی
بردباری صبر استقلال سے
کی نہیں جاتی حمایت آج بھی

شاعران کا شمر کیا کر گئے
 بات کہنے کی تھی تو چپ کر گئے
 اپنے من میں سوچتا رہتا ہوں میں
 کیا وہ اپنا مرثیہ پڑھ کر گئے

ہر طرح کا غم سہا جن کیلئے
 خون لاکھوں کا بہا جن کیلئے
 رہ گئے ہم سب تہی دامن مگر
 مسد ارشاد تھا ان کیلئے

حکومت جن کو پٹے پر ملی ہے
 وہ اوروں کو بھی پٹہ دے رہے ہیں
 کرے ہیں پاک دامانی کا دعویٰ
 جو اپنے آپ بلہ دے رہے ہیں

سیاست کا ہے یہ دیرینہ شہکار
 بنا روشن جبین جو تھا سیہ کار
 غریبوں کیلئے باتوں کا تحفہ
 خود اپنے واسطے دولت کے انبار

قد آور شخصیت اور نام چھوڑو
 عقلمندو یہ بت ہیں ان کو توڑو
 یہی ہے ہوش مندی کا تقاضا
 کہ رشتہ اپنا اپنے حق سے جوڑو

ہمارے لوگ کچھ اخبار پڑھ کر
 سمجھ لیتے ہیں سب کچھ ٹھیک ہوگا
 اگر وہ فیصلہ کر لیں عمل سے
 تو ان کے حق میں سب کچھ ٹھیک ہوگا

نہ رکھنا کوئی نصب العین اپنا
 یہی ہے مستقل دولت ہماری
 الیکشن کارخانہ کھل گیا کیا
 ہے بے پیندے کے لوٹوں کی تیاری

غلاموں میں نہیں ہوتی حمیت
 بڑی طاقت بڑی عزت ہے غیرت
 مرے لوگو! یہ تم سے پوچھتا ہوں
 سمجھتے بھی ہو اپنی قدر و قیمت

وہ جو لڑے تھے تشدد کے خلاف
مفلس و مجبور تھے محکوم تھے
حق شناسوں پر وہی جھٹے ہیں آج
اور کہتے ہیں کہ ہم معصوم تھے

اپنی قربانیوں کے صدقے میں
جشن چاہا ہے جو منایا ہے
برسر اقتدار آنے پر
معترض کا گلا دبایا ہے

کیا کہیں ان سے دوستو! جن کو
اپنے لوگوں پہ اعتبار نہیں
ٹنڈہ منڈ رہ گیا ہے گلشن میں
بوڑھے برگد میں شاخسار نہیں

کوئی صوفی ہے کوئی صافی ہے
بات حاکم سے ان کی کافی ہے
بیچ ڈالا ہے خود ضمیر اپنا
یعنی ان کا وجود اضافی ہے

اقتدار ہوس میں کھوئے ہیں
 کیا غلامی کے بیج بوئے ہیں
 لیڈروں سے نہیں کوئی شکوہ
 ایک مدت سے لوگ سوئے ہیں





آدی وہ نہیں قرینے کا
درد جاگا نہ جس کے سینے کا!

ناخدا جس کا باخدا نہ ہوا
کیا بھروسہ ہے اس سینے کا؟

اک خلوص ہنر جو ہاتھ آئے
راستہ ہے یہ دل دینے کا

سنگ شکوہ کو پھینک آئے ہم
بوجھ ہلکا ہوا ہے سینے کا

اس کو کہتے ہیں آستیں کا سانپ
نام ہوتا نہیں کینے کا!

غم سے بے غم ہوئے ہیں جب سے ہم
ڈھنگ بدلا ہے اپنے جینے کا!

ہم نے بس مفت میں دیا ان کو
مول ہوتا ہے دل گنگنے کا؟

جس کی دھن پر زمانہ جھوم اٹھا
وہ گلوکار تھا مدینے کا!

عشق کی ایک جست اللہ ہو!
فاصلہ ہے یہ عرش زینے کا

ہم شہیدی کو جانتے ہیں سب
کام ہے اس کا چاک سینے کا





دُن صحرا میں رود کوثر ہے
وہ تعلق کہوں کہ تیری یاد

جانے کھوئے کہاں مزاج مرے
وہ طبیعت کجا کجا اُفتاد

کیا مکافات اور عمل پوچھو
میری پہچان ہے مرا الحاد!

شوخ نٹ کھٹ ہمارے بچپن کو
گاؤں ترسے ہے یا کرے فریاد!!

چوب کار کھڑکیوں کا کیا پوچھیں
برزہ پش سے ہوئے مکاں آزاد

آسماں نے پٹک دیا ہم کو
اجنبی اجنبی ہیں مادر زاد

کچھ کفارہ ادا تو کر لیتے
ہائے وہ بھول جو نہ آئی یاد

اپنے کو یوں میں قید ہیں ہم لوگ
وہ تو پروانہ تھا ہوا آزاد

جب بھی حد سے گذر گیا ہوں میں
مجھ سے باغی ہوا مرا ہم زاد

شیخ العالم ہوں یا مری لل دید
روح کشمیر انہی سے ہے آباد

ہیں جلال و جمال شعر اپنے
ایک مہجور دوسرے آزاد

زخم کھل اٹھتے ہیں جو اندر سے
شعر ہوتے ہیں میرے طبع زاد



تعارف

خراب و خستہ و دلگیر ہوں میں
بس اتنا جانے کشمیر ہوں میں

کوئی پہچان پائے گا تو کیوں کر؟
بھٹی بکھری ہوئی تصویر ہوں میں

کبھی فرصت ملے تو اس کو پڑھنا
جبین وقت کی تحریر ہوں میں

ہوں رہ رہ کے مجھ کو نوچتی ہے
بڑی زرخیز اک جاگیر ہوں میں

بگاڑے ہے جسے بن بن کے معمار
وہ زیر تجربہ تعمیر ہوں میں

لگتا ہوں صلیب زندگی پر
مری تقصیر؟ بے تقصیر ہوں میں

کھٹکتا رہتا ہوں ہر آن اس کو
عدو کی آنکھ کا شہتیر ہوں میں

سمجھ میں جس کے میں آتا نہیں ہوں
وہ کہتا ہے کہ ٹیڑھی کھیر ہوں میں

جو چاہو آزما کر تم بھی دیکھو
خلوص و درد کی اکیر ہوں میں

سمندر قطرہ ہے قطرہ سمندر
اسی نقطے کی ایک تفسیر ہوں میں

وَرَا- ثُمَّ الْوَرَا تک کھوج ڈالا
نہ ہاتھ آئی جو وہ تقدیر ہوں میں

تمنائے دو عالم کر کے دیکھا
خود اپنے پاؤں کی زنجیر ہوں میں

سنیں یا نا سنیں وہ بات میری
خود اپنے کام کی تشہیر ہوں میں

پا مجھ سے ہوئے ہیں انقلابات
سدا اک نعرۂ تکبیر ہوں میں

الٹ دے گی بساط شب سحر دم
کہ خود لا تقطوا تنویر ہوں میں

عجب ہستی عجب مستی عجب شوق
قتیل شیوۂ شبیر ہوں میں

مجھے ہرگز نہیں دعویٰ غالب
حضور اس عہد غم کا میر ہوں میں

شہیدیٰ اک فقیر بے نوا تھا
مگر اس کی نواتا شیر ہوں میں!



مدینے میں

ہر درد کا ملتا ہے درمان مدینے میں
ہو جاتی ہے ہر مشکل آسان مدینے میں

جنت کا نہیں رہتا ارمان مدینے میں
پاتا ہے سوا اس سے مہمان مدینے میں

سرکار کی رحمت کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے
ہو جاتا ہے ہر زائر ذیشان مدینے میں

کشکول گدائی کے ہاتھوں میں لئے پھرتے
آتے ہیں برہنہ پا سلطان مدینے میں

کچھ بھی تو نہیں کہنا کہنا ہے تو بس اتنا
کعبے میں جو دل ہے تو ایمان مدینے میں

تسکین بھی راحت بھی خوشبو بھی طراوت بھی
صدقے میں یہ ملتا ہے سامانِ مدینے میں

مسجد میں نبیؐ کے اک جنت کا گلستاں ہے
گلچین ہے جس کا ہر مہمانِ مدینے میں

اصحابؓ نے بخشی ہے توقیرِ بقیع کو
بوکرؓ و عمرؓ بھی ہیں ، عثمانِ مدینے میں

جب عرشِ درتپے سے دیکھا تو نظر آیا
ہے اس سے بھی اک اونچا استھانِ مدینے میں

اے کاش شہیدی کو بلوائیں جو آقا تو
جو کچھ بھی ہے کرلوں میں قربانِ مدینے میں



السلام

اہل وطن کے جذبہ بیدار السلام
 در ماندگان زیست کے غمخوار السلام
 تیری نظر سکونِ دلِ زار السلام
 اے میرِ کاروانِ شبِ تار السلام

ہاتو کو تو نے چاہا تھا دیکھوں میں سر بلند
 اللہ کا احساں تھا ملا تجھ سا درد مند
 خاک وطن ہے آج زمانے میں ارجمند
 تیری وجہ سے مردِ جواں کار السلام

مانند آج ہو صحرا میں تو رواں
 ہر دور میں سب مل کے رہے تیرے پاسباں
 جو پہلے بیاباں تھے ہوئے اب وہ گلستاں
 کہتے ہیں تجھ کو ابر گھر بار السلام

عزم صمیم پاس وفا نقد دل و جاں
 ہر دور میں سب مل کے رہے تیرے پاسباں
 تو ترجماں حضرت آدم ہے بے گماں
 اے خضر قوم صاحب اسرار السلام

ظالم کے ہاتھ رکھ دئے تو نے مروڑ کر
 تیری کمند لائی ستاروں کو توڑ کر
 لیکن نہ جاسکا تو غریبوں کو چھوڑ کر
 اے دردمند قافلہ سالار السلام

تعزیر قید و بند کا ہوتا تھا جب خروش
 لبیک تیری بات پر کرتے تھے سرفروش
 اہل جنوں کے قدموں پہ گرتے تھے اہل ہوش
 آئے ہیں ایسے وقت کئی بار السلام

ہم کو یقین ہے تجھ سا جو کوئی دلیر ہو
 فضل خدا سے سطوت نمرود زیر ہو
 جانباز ہو جری ہو مجاہد ہو شیر ہو
 راہ عمل میں حق کے پرستار! السلام

پلتے ہیں تیرے سائے میں سب شیخ و برہمن
 مشہور دور دور تک ہے تیرا بانگین
 عزت ہر ایک دل میں ہے تیری بلا سخن
 شیرازہ بند قوم دل افکار! السلام

تو نے دیا ہے درس اخوت قدم قدم
 غیروں سے کی ہے تو نے مروت قدم قدم
 تیرا پیام کیا ہے محبت قدم قدم
 گلزار زیت کے گل بے خار! السلام

اک اور موڑ تو نے لیا اپنے سفر کا
 لیگا جو امتحان ترے فکر و نظر کا
 آئے گا ایک وقت کبھی برگ و ثمر کا
 اہل یقین کیسے ہوں بیزار! السلام!

حق گو ہوں حق شناس ہوں میں حق پسند ہوں
 اہل نوا میں اس لئے میں سر بلند ہوں
 اے کاش اس اصول سے سب بہرہ مند ہوں
 مجبور تاکہ ہو سکیں مختار! السلام!

نظم

سینہ کوہسار میں ارزاں
جا بجا چشمہ ہائے شیریں آب

چیز دیودار اور جڑی بوٹی
ضامن زیست دق زدوں کیلئے

مخملی گھاس شبنم آلودہ
دلکش و دلفریب قوس قزح

وہ فضاؤں میں پنچھیوں کی ڈار
وہ پھدکتے ہوئے چکور بہت

ہرن خرگوش ریچھ اور بندر
جھاڑیوں میں چھپے ہوئے چیتے

قیمتی پتھروں کی چٹانیں
سرسراہی نسیم روح افزا

مرمریں چوٹیاں وہ بریلی
 بلبلیں کونکلیں ابابلیں

کلبلاتے ہوئے و حوش و طیور
 ہانکتے ریوڑوں کو چرواہے

چاندنی شب کی اور دن کی دھوپ
 شاہزادے شکار گاہوں کے

دور کنیا کے ٹٹماتے چراغ!!
 پہلے کچھ دن ہرا بھرا جنگل

آج صحرا میں ہو گیا تبدیل
 کوئی بجلی نہیں گری اس پر

کوئی طوفان ادھر نہیں آیا
 زلزلے سو گئے ہیں مدت سے

عقل انسان کی سلامت ہے
 علم اور آگہی کی وسعت ہے
 یعنی یہ گیس کی کرامت ہے!!

نعت

سارے جگ میں ایک حسین
رحمۃ للعالمین

جیب میں اس کی سورج ہے
لگتا ہے گو ماہ جبین

وہ آکاش کا مالک ہے
لیکن چن لی اس نے زمین

اس کے آگے سب محتاج
خواہ غنی ہو یا مسکین

سب پر ہیں اس کے احسان
سنگ و شجر کیا کیا پروین

بات کرے تو بریں پھول
اس کا حرف ہے شکرچین

پھن پھیلائے کالے ناگ
رام کرے ہے اس کی بین

دین ہے اس کے مذہب کی
عرش مکاں ہے فرش نشین

اس سے ہر مشکل آسان
وہ میرے دل کی تسکین

ہر اکھشر اس کی تعریف
الف امیں تا ے یاسین

جس پتھر کو چھو جائے
ہو جائے وہ لعل و نگین

اس کی کنیا کا ہے فیض
قیصر یا خاقان چین

ن نفی کا کر اثبات
اللہ والوں کو تلقین

جہل اندھیرا گمراہی
بھاگے دیکھ کے نور مبین!

اس کے پیڑ کے ہڈ ہڈ پاس
جھگنے آتے ہیں شاہین!

سادہ لباس اور سادہ غذا
ملبوس عدن چوب چین!



بہ یاد حسین

وہ نظم و ضبط کا صبر و رضا کا پیکر تھا
 جلو میں ساتھ لئے جو خدائی لشکر تھا
 چلے بھی آو جو دعویٰ ہے حق پرستی کا
 یہ دیکھ لیں گے کہ حق کس طرف کا یا اور تھا



خلیل عشق کے آگے شکوہ آذر ہے!
 بھری بہار ہے فصل سنان و خنجر ہے!
 وہ دیکھ درد کی دولت لٹانے آیا تھا
 جو بحر زیست کا ہر دور میں شناور ہے!

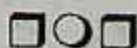


اعدائے دیں پہ آپ نے حجت تمام کی
 لیکن کبھی نہ آگ جو تھی انتقام کی
 اہل جہاں کے واسطے ہے یہ نوید زبست
 اپنی حیات راہ خدا میں تمام کی

حسین

اک مشعل تسلیم و رضا ہے تمہاری ذات
اے فاطمہؑ کے لال تو ہے دین کا ثبات
ظلمت کدے میں دہر کے ہے تو پیام صبح
ہے مصدر حیات ترا واقعہٴ مہمات

مشغول کار گو کہ سبھی اہل شام تھے
اور شام کے یزید بصد اجتہام تھے
دن دھاڑے کربلا میں یاں ڈوبا جو آفتاب
سجدے میں چاند اور ستارے تمام تھے



نظم

سلسلہ وار
ساتویں طبق اور
ترتیب سے رکھی گئی نو معلق چھتوں کے بیچ
بے در و دیوار مکاں کی چھٹی کھڑکی سے
دیکھتا ہوں.....

ہمسایوں کی جو ہری چوہیاں
دن کے تاریک اجالو میں
ایک دوسرے کے ہمہ روزوں کے شگافوں سے داخل ہو کر
دھویں کے سمندر.....

اور
کان پھٹی گرج کے پہاڑ پیدا کر دیتی ہیں
میرے خیال
بادلوں کی سیڑھیوں سے
ہر مکھ کی اور

اس منظر کو

شعری کینو اس پر

اتارنا چاہتے ہیں..... لیکن

وہاں امر ناتھ کی برف کا لگم ہی پگھل چکا ہے۔





قریہ قریہ ہے مضمون
 چشمہ چشمہ اُبلے خون
 اخباروں کا ”امن و امان“
 سمجھو گھر گھر ہے شب خون
 ہجرت کرنے پر بھی دیکھ
 تو محفوظ نہ میں مامون
 کون خدا کو یاد کرے
 ہر ہر گام ہیں سو فرعون
 زخم ہرا جب ہوتا ہے
 پڑھتا ہوں دل کا مضمون
 آئی بلا کو ٹالے کون
 دفتر میں افسر خاتون



شام سویرا ہوتا ہے
 صبح اندھیرا ہوتا ہے
 گھر والوں کو اُن کا گھر
 رین بئیرا ہوتا ہے
 دل وادی میں یادوں کا
 لشکر تیرا ہوتا ہے
 اس اخلاص کی وادی میں
 تیرا ، میرا ہوتا ہے
 اب ہرنوں کے جنگل میں
 باگھ کا ڈیرا ہوتا ہے
 روز کا تھا معمول پر اب
 سال میں پھیرا ہوتا ہے
 چپ انصاف نہ مانگ یہاں
 سانپ سپیرا ہوتا ہے
 پانی پانی بستی میں
 آگ پھیرا ہوتا ہے





پیار کہانی ہوتی ہے
 یاد سہانی ہوتی ہے
 وقت بچھا دیتا ہے آپ
 آگ جوانی ہوتی ہے
 کہیئے بچ بھنور کے بھی
 کشتی رانی ہوتی ہے
 آئے دن ہر تازہ خبر
 سن کے پرانی ہوتی ہے
 چاہنے والوں میں باہم
 بات امانی ہوتی ہے



اپنی سیاست خوب چلاؤ
 اُلفت نفرت سے سلگاؤ
 باہر باہر رکھ رکھاؤ
 اندر اندر گھاؤ ہی گھاؤ
 میں اس کو سجدہ کر لوں
 کوئی انساں ہو تو لاؤ
 جس کو کچھ دینا ہی نہ ہو
 اس کو باتوں میں الجھاؤ
 دنیا داری چاہو تو
 اپنی پگڑی کو بیچ آؤ
 کام کوئی آتا بھی ہے کیا؟
 آپ اپنی گتھی سلجھاؤ
 کوشش کوشش بس کوشش
 شاید کوئی رستہ پاؤ



موج خوں کب تلک اچھالوں میں
 کب تلک دل کو آزما لوں میں
 ہر طرف سنگ و آہن و بارود
 راستہ کس طرف نکالوں میں
 میں کہ صدیوں سے بکتا آیا ہوں
 میری تاریخ ہے قبائلوں میں
 نام جس کا ہے جنت کشمیر
 ڈھونڈئے اب اسے حوالوں میں
 میرا جینا عجیب لگتا ہے
 ان مہذب عروج والوں میں
 میرے اپنے ہی لوگ آگے تھے
 مجھ کو تاراج کرنے والوں میں
 آئی میزائیلوں سے لیس آئی
 کیسی جمہوریت سنبھالوں میں
 چین سے کوئی بھی نہیں رہتا
 گفتگو تھی محلہ والوں میں



کتنے دلدار درد والے ہیں
 جو زمانے کا غم سنبھالے ہیں
 آسمان پر پہنچنے کی خاطر
 چوٹیوں نے بھی پر نکالے ہیں
 کون اب کس کے کام آتا ہے
 چھینے جاتے فقط نوالے ہیں
 یہ طرحداریاں قیامت کی
 اپنے معبود کے حوالے ہیں
 دھات میں سائنائیڈ مکسڈ ہے
 ہم نے برتن سبھی کھنگالے ہیں
 پر کئے پنچھو! ذرا دھیرج
 وقت پر ہم بھی اڑنے والے ہیں
 اُن کے کندھوں پہ ہے صلیب اُن کی
 لوگ یہ کس قدر جیالے ہیں
 ان جزیروں میں کچھ تو ہوگا جو
 براعظم اڑانے والے ہیں
 جشن پھر بھی مناتے ہیں ہم لوگ
 جانتے ہیں یہ اُجالے ہیں

کیجئے اس پہ تجرہ کچھ آپ
 ہونٹ اپنے ہیں اُن کے تالے ہیں
 جیل چکی اداسیاں کوڑے
 جرم یہ ہے کہ چاہ والے ہیں
 جو شہیدی کے ہم عناں ہوں گے
 ان بزرگوں کی جاں کے لالے ہیں



شہیدی صاحب میرے شاعر ہیں۔ ۱۹۵۴ء سے انجمن ترقی اردو ادب کے بانی ممبروں میں ان کا فعال کردار ہمیشہ یادگار رہے گا۔ محکمہ تعلیم کی طرف سے ۱۴ ستمبر ۱۹۵۹ء میں سیاحوں کے استقبالیہ مرکز کے وسیع ہال میں انہوں نے چاندنی رات میں ڈل جھیل عنوان سے جو معرکتہ الآرا نظم پڑھی اُس کا محرک میں ہی تھا۔ اول انعام کی حقدار اس نظم کو صرف نظر کیا گیا۔ جس سے وہ بددل ہو گئے اور کافی عرصہ تک انہوں نے لکھنا ہی چھوڑ دیا۔ ان کے مجموعہ کلام میں اُن کا مزاحمتی لہجہ اُن کو اپنے ہمسفروں سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ درد دل کے سخن ور ہیں۔

غ م جانباز سکریٹری انجمن ترقی اردو ادب کشمیر

شہیدی صاحب فنانی اردو ہیں۔ میرے شاگردان رشید میں اُن کا ایک خاص مقام رہا ہے۔

پروفیسر مصدر کرمانی قادری چستی

شہیدی صاحب اپنی عمر کے لحاظ سے فکری طور بہت آگے اور اونچے درجہ کے مالک ہیں۔

سرور توتسوی ۱۹۵۶ء

ماہنامہ شان ہند میں شہیدی صاحب کی غزل پڑھی جس کا یہ شعر عمدہ ہے

Digitized By eGangotri
اک صبح نو کی دیر تھی تو وہ بھی ہو گئی
راتوں کو بے شمار چراغاں ہوئے تو ہیں

شکیل بدایونی ۱۹۵۸ء

کشمیر میں اردو زبان کے شعراء میں سلطان الحق شہیدی تیز گام بھی ہیں
اور بلند پرواز بھی۔ ان کا یہ شعر مجھے بہت پسند ہے

ہماری زندگی کا ہے سہارا
تمہارا غم تمہارا غم نہیں ہے

ظہور احمد سہروردی
برگ برگ، تیشہ گل اور انکشاف شہیدی صاحب کے تین شعری مجموعے
ہیں جو ان کی مقامی، ملکی اور آفاقی حیثیت کے آئینہ دار ہیں۔

شاہد احسن مراد آبادی

سلطان الحق شہیدی اقبال کے افکار سے قریب ہیں۔ انہوں نے اقبال
کی دو کتابوں پیام مشرق اور ارمغانِ جہاز کا منظوم کشمیری ترجمہ آج سے ۲۵ سال
پیشتر کیا ہے۔ کشمیر میں قیام کے دوران ان سے ملاقاتیں حاصل سفر ہیں۔ ان کے
علم و اخلاق سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔

ڈاکٹر سلام الدین نیاز

آنریری سکریٹری انجمن حمایت الاسلام لاہور

زندگی کے ادھورے سفر میں جن چند لوگوں کو میں نہیں بھولتا ان میں

سلطان الحق شہیدی بھی ایک ترجمان تھے۔ ان کے علاوہ بہت اچھے انسان ہیں کشمیر آتا ہوں تو ایک خاص وجہ ہوتی ہے۔ شہیدی صاحب سے ملنے اور ان کی زیارت کرنے کی وہ اس وقت لکھنؤ میں میرے پاس آئے ہیں گویا کشمیر کی تمام خوبیاں میرے پاس آئی ہیں۔ (نامور صحافی) سلامت علی مہدی ۱۹۸۵ء

پیام مشرق کا منظوم اردو ترجمہ ایک کارنامہ ہے۔ ہر چند کہ انہوں نے اس کا منظوم کشمیری ترجمہ تیس برس پہلے کیا ہے اور کشمیر کلچرل اکادمی نے اسے شائع بھی کیا ہے۔
مظہر امام۔ رؤف خیر

شہیدی صاحب نے مراد آباد میرے غریب خانہ پر آ کر جو اردو کلام سنایا ہے میں اس سے محفوظ ہوا۔ لگتا ہے کم سے کم بیس بائیس برس سے لکھتے ہوں گے۔
سراج الحق قمر مراد آبادی ۱۹۸۵ء

مجھے شہیدی صاحب میں اپنے دوست روش صدیقی کی خوبیاں محسوس ہوئیں۔ بہت ہی روشن خیال مسلمان ہیں اور اچھے شاعر بھی۔
مولانا مرغوب الرحمن۔ مہتمم دارالعلوم دیوبند ۱۹۹۳ء

شہیدی صاحب میرے گھر پھانک تیلیاں میں ملے وہ اپنے بارے میں تنقیدی صلاح مشورے بڑے صبر و سکون سے برداشت کر لیتے ہیں۔ میں ان سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔
مخمور سعیدی ۱۹۸۲ء

شہیدی صاحب اردو کے شاعر ہونے کے علاوہ انہوں نے اپنی مادری زبان کشمیری میں بہت اچھے منظوم ترجمے کئے ہیں۔ خیام کا ترجمہ اور پیام مشرق کا ترجمہ ان کی طرف سے کشمیری زبان و ادب پر احسان ہے۔

محمد امین کامل ۱۹۶۰ء

میں نے شہیدی صاحب کا پیام مشرق کا منظوم کشمیری ترجمہ پڑھا اکثر جگہ لگتا ہے کہ یہ ترجمہ ہی گویا اصل متن ہے۔

پروفیسر غلام نبی فراق

شہیدی صاحب کا شیخ العالم کا منظوم اردو ترجمہ بے پناہ توانائی لئے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر حامدی کاشمیری پروفیسر رحمن راہی، موتی لال ساقی، غلام نبی گوہر، رشید نازکی ۱۹۷۳ء

اردو کی سب سے مشہور اور طویل نظم۔ مسدس حالی کا منظوم کشمیری ترجمہ شہیدی صاحب کا ایک شاہکار ہے۔

پروفیسر مرغوب بانہالی

شہیدی صاحب میرے یار جانی برخوردار ادبی ستارے ہیں۔ ان سے میں متاثر ہوں انہوں نے کشمیری اور اردو میں کئی منظوم تراجم کئے ہیں۔ احمدیہ ادبی

میرزا عارف برزله کشمیر

شہیدی صاحب شاعرانہ وقار اور شعری عظمت کے ساتھ اسکی پاسداری کا لحاظ رکھتے ہیں۔ آج خرید و فروخت کی اس دنیا میں وہ قلندرانہ اور مومنانہ وضع کے ساتھ وجدان و ارتعاش اور تخیل کے اتہزاز کے ساتھ اپنی ذاتی زندگی اور تخلیق میں بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ خوش باش، خوش لباس اور خوش خیالی کے ساتھ عالمگیر دردمندی لئے آخرت پسندی کے مظہر ہیں۔

پروفیسر غلام محمد وفائی ۱۹۷۶ء

روایت کے امین اور جدیدیت کے محافظ شہیدی صاحب ہمارے پسندیدہ شاعر ہیں۔ رشید عامر، حیرت سیفی (مراد آباد)

شہیدی صاحب ریاست کے نامور اور بزرگ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بذات خود ایک اکیڈمی ہیں۔ کشمیر عظمیٰ ۲۰۰۴ء

ہم کو یہ کہنے میں فخر محسوس ہوتا ہے کہ کشمیر کے اہل قلم حضرات میں جناب سلطان الحق شہیدی ایک جدید طرز فکر کے مالک اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ حکیم الامت میں اپنے کلام کے موتی پنچھا کر رہے ہیں انہوں نے شاعری کو دور حاضر کے اکثر شعراء کی طرح سستا پیشہ نہیں بنایا ہے جو کچھ لکھتے ہیں اس میں متانت، پختگی اور

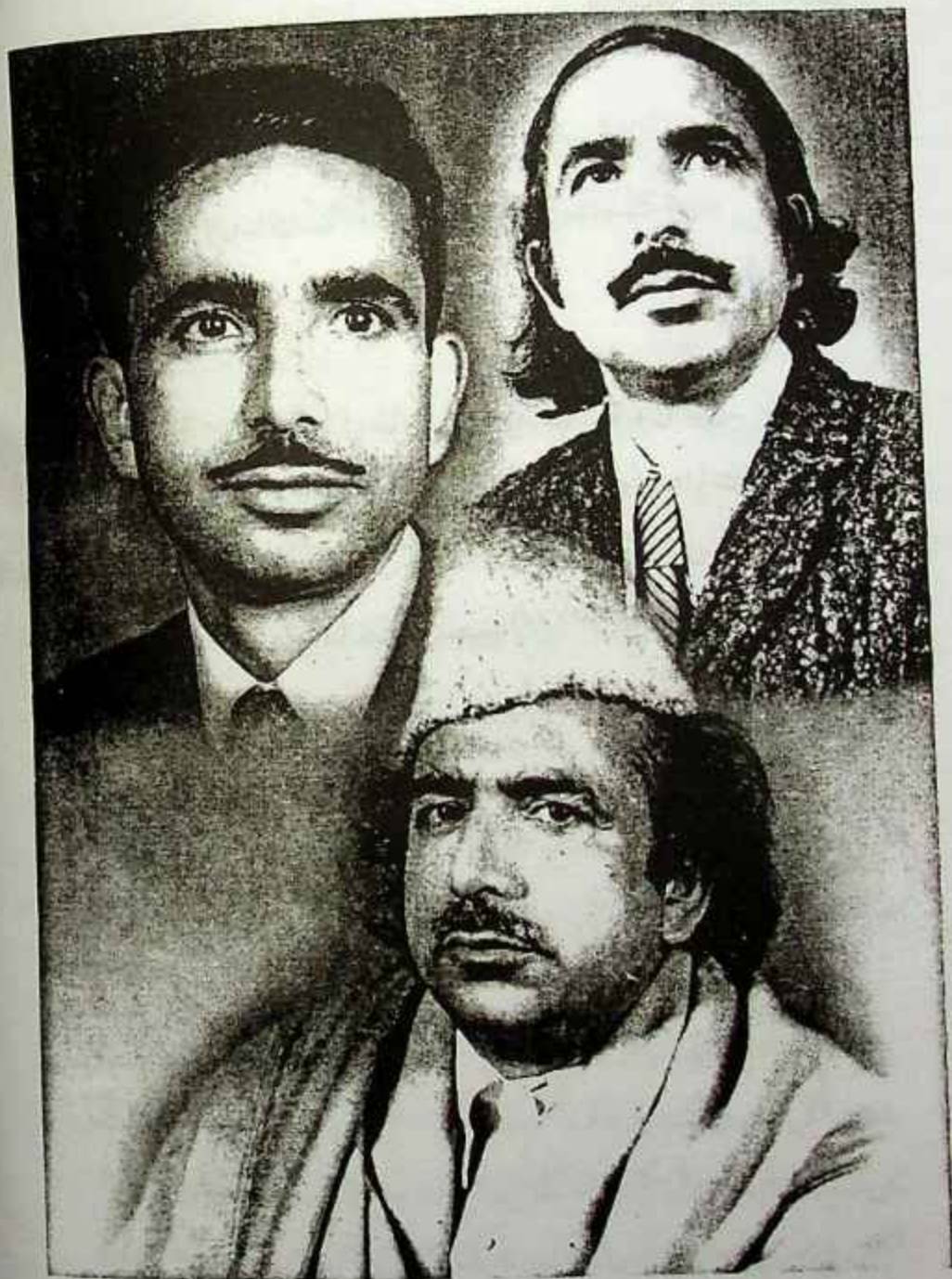
شگفتگی پائی جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی جھروں میں دلاویز شعر کہتے ہیں۔

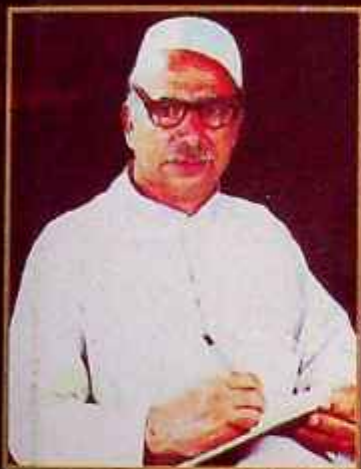
ماہنامہ حکیم الامت

کشمیر کے اردو شاعروں میں سلطان الحق شہیدی غالباً سب سے بزرگ اور قد آور شاعر ہیں۔ ان کے منظوم تراجم یادگاری حیثیت رکھتے ہیں۔

محمد یوسف ٹینگ

محترم المقام شہیدی صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ بیک وقت شاعر، خوق اخلاق، معرفت کے شاور، کرم کے خوگر، کشمیری روایات کے پیکر اور زندہ دل شخصیت ہیں۔ عشق رسول صلعم اور محبت نبیؐ سے سرشار ہیں۔ کلام آبدار کہتے ہیں۔
مولانا خضر محمد (دارالعلوم دیوبند) ۲۰۰۵ء





(۱) انکشاف (۲) پیشہ گل اور (۳) برگ برگ ریاست کے نامی گرامی شاعر سلطان الحق شہیدی کے تین شعری مجموعے ہیں۔

مہر عالم تاب کا یہ منظر دیکھ کر ایک بار پھر میں شاعری کے الہامی کردار یا اس کے عطیہ الہی ہونے کا قائل ہو گیا اور پھر جب فرصت میں اُن کے کلام کو پڑھتا رہا۔ میری حیرت اور مسرت میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان کے بارے میں میرا یہ تاثر تھا۔ کہ وہ گاہے گاہے شعر کہتے ہیں اور روایتی خیالات و اسالیب کو برتتے ہیں اور وہ اس جنونی کیفیت سے نا آشنا ہیں جو ہمہ وقتی ہے اور تخلیقیت کو ہمیز کرتی ہے اللہ کا کرم ہے کہ مجھے ان کے کلام کا بالآخر استغیاب مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور میں اس طمانیت بخش احساس سے دوچار ہوا کہ شہیدی صاحب خود شناس اور جہاں میں شاعر ہیں اور ان کے شعری مجموعوں سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے کہ وہ نفس نفس تخلیق شعر کیلئے وقف کر چکے ہیں۔ ان کے کئی کتابوں کے تراجم بے حد اہم اور فاضلانہ ہیں۔ میں ان کے قابل قدر کام کیلئے مبارک باد دیتا ہوں۔

ڈاکٹر حامدی کاشمیری